سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقیِ اُردو نمبر ۷۶

تذکرۂ ریختہ گویاں

مؤلفہ

سید فتح علی حسینی گردیزی

مرتبہ

مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے (علیگ)
معتمد اعزازی انجمن ترقی اُردو

———)•(———

مطبوعہ مطبع انجمن ترقی اُردو
اورنگ آباد (دکن)

فہرست مضامین

[illegible]

[illegible] ایکی هزار

فهرسه في هذه [illegible]

[illegible] ایکی [illegible] جار آتی ستة الفكرية [illegible]

[illegible] ستة اولى [illegible]

مقدمہ

یہ تذکرہ سید فتح علی حسینی الرضوی الگردیزی کی تالیف ہے - سید فتح علی سادات گردیز میں سے تھے ۔ ان کے والد سید عوض خاں محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں لشکر بادشاہی کے بخشی تھے اور امیرانہ بسر کرتے تھے - محمد شاہ کے انتقال کے بعد ان کے فرزند اور جانشین احمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں کچھ عرصے کے لیے نیابت صوبہ دار لاہور کی خدمت پر سر افراز ہو گئے تھے - احمد شاہ ابدالی نے جب دلی پر حملہ کیا تو سید صاحب مردانہ وار لڑتے لڑتے شہید ہو گئے —

ان کے بڑے فرزند سید فتح علی حسینی اپنے وقت کے مشائخ اور صوفیا میں شمار کیے جاتے تھے اور جو شجرہ ان کا تحریر کیا ہوا مجھے ملا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مخدوم میر جہاں (خلیفہ مخدوم شاہ عالم محمدی خلیفہ میر سید محمد کبیر خلیفہ شیخ محب اللہ الہ آبادی) سے بیعت تھے اور ان کے خلفا میں سے تھے —

توکل ہے اس کا وہ چست و درست   کہ اگر سینہ دل جو ہو مہر سست

نہ یک سال دل سالہائے دراز   تلے اپنی جا سے نہ وہ سرفراز

غرض اس طرح وہ ان کی مدح میں برابر لکھتا چلا گیا ہے - علاوہ اس کے قاسم نے اولیا اور صوفیا کے کئی سلسلوں کے بزرگوں کے نام نظم کیے ہیں جو اس کے کلیات میں پائے جاتے ہیں - ان سلسلوں میں کئی جگہ فتح علی کا نام آیا ہے - مثلاً سلسلۂ عالیہ حضرات قادریہ کے سلسلے میں لکھتے ہیں —

خالیا بخشے نما سر می کنم   شعلہ از داغ دلے بر می کنم

یا الٰہی تو بآں عالی نسب   آنکہ شد فتح علی خانش لقب

انہیں حضرات کے سلسلے میں ایک دوسری جگہ یوں ذکر کیا ہے —

صفا جاتے از سینہ سر می کنم   ز سوز دروں شعلہ بر می کنم

الٰہی بہ سینۂ حسینی لقب   دل آگاہ و فتح علی خاں لقب

شجرۂ طیبۂ حضرات چشتیہ نظامیہ صابریہ کے ذیل میں اس طرح بیان کیا ہے —

بہ دست آور ایں رنگیں قصادہ   صفا جائے کنم سر عاشقانہ

خداوندا بآں فتح علی خاں   حسینی انتساب و قبلۂ جاں

حضرات صابریہ و نظامیہ کے سلسلے پھر ایک جگہ لکھتے ہیں —

اس امر کا ثبوت کہ ان کا شمار اپنے وقت کے بزرگان دین اور شیوخ میں تھا ، میر قدرت اللہ قاسم (صاحب تذکرہ و دیوان) کے کلام سے بھی ملتا ہے - وہ انھیں اپنا پدر و مرشد کہتا ہے اور اپنے کلام میں جگہ جگہ ان کی مدح و ثنا کرتا ہے - چنانچہ اپنی مثنوی کرامات پیراں پیر * میں یہ اشعار ان کی نسبت لکھے ہیں —

گیا جب جہاں سے وہ ناصح کریم † ہوا اور در س آٹھویں یہ یتیم
پس از رحلت والد خوش یقین دہ سہ سال اے مرد نیک دین (؟)
ہدایت سے ایک سید پاک کی گریں دامنہ تاج لولاک کی
کہ ہے میر فتح علی خان لقب حسینی تخلص حسینی نسب
حسب اور نسب اس کی ہے آفتاب ہے مستغنی الذکر درج کتاب
نہایت ہی عالی نسب وہ بزرگ نجابت ہے والا حسب وہ بزرگ
وہ ہے آج شیخ الشیوخ زماں طریق شریعت کراں تا کراں
وہ توحید کا بحر اخضر ہے آج وہ اس علم میں شیخ اکبر ہے آج
وہ ہے ہادی رہروان خدا دلیل بزرگان صاحب صفا
وہ ہے آج میاں سب مردم تراش فقیر اس سے لازم ہے سیکھوں معاش
کہ ہے آج وہ پیر روشن ضمیر امیر و حقیر و فقیر و امیر

* کتاب خانہ نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی (حبیب گنج)

† اپنے والد سے مراد ہے

کونہلی سی دہاہد "

سید صاحب کے ایک مرید شاہ محمد اسحق حسدکی نے سنہ ۱۲۰۳ ھ میں اپنے مرشد کے بعض مکتوبات و کلمات جو انھوں نے بعض درویشوں اور طالبوں کے نام تحریر فرمائے تھے اور انھیں صاحب کے قلم سے لکھے گئے تھے ' نیز بعض نکات و مقالات جو مختلف اوقات میں اپنے احباب اور عزیزوں سے بیان فرمائے ' ایک جگہ جمع کردئے اور اس مجموعہ کا نام " ارشادات " رکھا —

ان مکتوبات اور رسائل کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب ایک با عمل صوفی اور صاحب علم و فضل تھے - اس مجموعے میں علاوہ دیگر مکتوبات کے خاص خاص رسائل یہ ہیں —

۱ - کشف الاستار فی معرفۃ الاسرار

یہ رسالہ وحدۃ الوجود کی تحقیق میں ہے —

۲ - مرآۃ العرفان

یہ رسالہ حصول معرفت و عرفان میں ہے اور بعض صوفی شعرا اور عرفا کے اقوال سے رسالے کو زینت دی ہے —

مہر الحاج عمدۂ حاجات شوریدہ کنم سر مناجات
یارب تو بہ شیخ پاک مذہب آں فتح علی حسینی اہل ادب
یارب تو بہ شیخ دینداراں آں مہر جہاں و پیر دوراں

قاسم نے اپنے تذکرہ مجموعہ نغز میں بھی ضمناً تین چار جگہ ان کا ذکر ایک مرشد و ہادی کی حیثیت سے کیا ہے ' سید غالب علی خاں برادر فتح علی حسینی کے ذکر میں لکھا ہے —

" سید فتح علی حسینی سلمہ الرحمن علائق دنیا را خیر باد گفتہ بمسند ارشاد پائے تمکین استوار کردہ زہد و توکل را کار بستہ "

مرزا مسیح اللہ بیگ مسیح کے متعلق لکھا ہے —

" تصحیح نسخۂ آدمیت از جناب فیض مآب ہادیٔ سالکاں میر فتح علی حسینی مخلص نمود "

میر یوسف علی یوسف کے متعلق لکھا ہے —

" دست بیعت بدست حق پرست آگاہ رموزات صوری و معنوی سید فتح علی خاں حسینی دادہ مخلص و شاہد زندہ و از خدمت سراپا برکت جناب ہدایت انتساب حضرات انسان خصوصات دنیوی و اخروی می یابد و کسب سعادات

ہوے تھے تو کہا دونوں طرف کے مقتولین "سہید" ہوے یا صرف ایک طرف کے - اس کا جواب قاضی محمد مبارک گوپاموی نے دیا تھا ' اس پر مولوی محمداللہ راج گیری نے شبہ وارد کیا ' اس شبہے کے جواب میں یہ رسالہ تحریر ہوا —

۵ - معرفتہ الفقر

یہ رسالہ جیسا کہ وہ خود تحریر فرماتے ہیں ان کی زندگی کے آخری رسالے کی تالیف ہے اور نام بھی تاریخی ہے ان کے الفاظ یہ ہیں —

" این ذخیرۂ قصیرہ کہ از تالیفات اواخر عمر بے حاصل باطل این تہی کیسہ بے سرمایہ با متاع کاسد گرا بمایہ است .... " "

معرفتہ الفقر کہ سال اتمام و اختتام این اوراق است ' مخاطب و موسوم گردد ' انسب می نماید

این نسخۂ عرفاں کہ پذیرفت اتمام تاریخ شدہ ثبت بہ سال اتمام درگوش خرد دوش حسینی گفتہ کا مد بدلم معرفتہ الفقر الہام

اس سے سنہ ۱۲۰۱ ھ نکلتا ہے - اس رسالے میں بھی وحدۃ الوجود کا بیان ہے —

اس رسالے کے حاشیے پر جو عبارت انھوں نے لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق ایک امیر منعم الدولہ محمد یلدز خاں سے تھا، وہ ان کے ساتھ دو آبہ کے سفر میں تھے اس وقت دا وجود سا سازی، طبع کے یہ رسالہ تحریر فرمایا - اور وعدہ کیا ہے کہ بشرط حیات وجمعیت خاطر جو خیالات اس بارے میں میرے دل میں ہیں انھیں پھر لکھوں گا —

۳ - ابطال الباطل

اس رسالے میں بعض صاحبوں نے سیخ محمد علی حزیں کے کلام پر اعتراضات کیے تھے - ان سب کے مقدم اور پیشوا خان آرزو تھے ۔ سید صاحب نے اس رسالے میں بعض اعتراضات کی تردید کی ہے اور تائید میں اساتذہ کا کلام پیش کیا ہے اس سے ان کی وسعت نظر اور ذوق سخن کا اندازہ ہوتا ہے —

۴ - نور هدایت

باقر خاں مرحوم کی طرف سے یہ سوال پیش ہوا تھا کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کے مابین جو لڑائیاں ہوئی تھیں اور جانبین سے جو لوگ قتل

صورت و معنی بہم ہر دو گہے بینم عیاں
گاہ در صورت نہ بینم گاہ معنی ننگرم

عاشق بیباکم و بے پردہ می گویم سخن
بے جہت راست جہت می آشکارا بنگرم

حسن او بے پردہ امروز است در چشم عیاں
من نہ آں باشم کہ روئے یار فردا بنگرم

وحدتؔ صرفست در مذہب و مشرب اہل دید
من نہ لا چوں شیخ می دانم نہ الا بنگرم

چشم وحدت بیں حسینی ننگرد جز آب صاف
گر حباب و قطرہ و گر موج و دریا بنگرم

معلوم ہوتا ہے کہ اردو میں شعر کہنے کا شوق نہ تھا، ان رسالوں میں تو اردو شعر لکھنے کا کوئی موقع نہ تھا کیونکہ یہ سب کے سب فارسی میں ہیں لیکن تذکرے میں بھی کہیں اس کا پتا نہیں لگتا۔ اگر ریختے سے شوق ہوتا تو وہ ضرور تذکرہ نویسوں کے دستور کے مطابق اپنا نام بھی درج کرتے۔ قاسم کے بیان سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض شاعروں کو شعر و سخن میں اصلاح دیتے تھے۔ مسیح کے ذکر میں ہے —

"شعر خود ہم با صلاح حضرت ایشاں (فتح علی حسینی) درست می فرمود"

ثناء اللہ خاں فراق نے سید صاحب کے انتقال

ان رسالوں سے میر قاسم کے کلام سے جو شروع میں لکھا گیا ھے یہ معلوم ھوتا ھے کہ سید صاحب شاعر بھی تھے اور حسینی تخلص کرتے تھے ۔ اپنے ذوق شعر کا ذکر اس تذکرے کے دیباچے میں بھی بڑی حسرت سے کیا ھے ۔ افسوس کہ ان کا کلام دستیاب نہیں ھوا ۔ ان رسالوں میں جو ایک دو جگہ ان کے اشعار ضمناً آگئے ھیں وہ یہاں لکھے جاتے ھیں —

رسالۂ مرآۃ العرفان میں انھوں نے اپنے دو شعر لکھے ھیں جو یہ ھیں —

قاسم وحدہ را خوانده‌ایم در کلامش
دیدش جهت حسینی خوران آن لقائیم
چشم و دلت یکشا مسجد و میخانه یکیست
کفر و اسلام یکے کعبه و بتخانه یکیست

اپنے ایک مکتوب میں جس میں مشاھدہ و مراقبہ پر بحث کی ھے اپنی ایک غزل بھی لکھی ھے جو یہاں درج کی جاتی ھے —

حسن او را در اساس رست و ربدا بنگرم
یک حقیقت درمیان لعل و خارا بنگرم
کثرت موھوم کے گردد حجاب وحدتم
منکه در هر ذره آن خورشید سیما بنگرم

یہ چند تذکرے لکھے گئے تھے —

(۱) تذکرہ سید امام الدین خان دہلی محمد شاہ
(۲) تذکرۂ خان آرزو (۳) تذکرۂ میر نکات الشعرا
سنہ ۱۱۵۶ ھ (۴) تذکرۂ سودا (۵) معشوق چہل سالۂ خود نوشتۂ
خاکسار ۱۱۶۵ھ (۶) تحفۃ الشعرا مولفہ افضل بیگ قاقشال
اورنگ آبادی ۱۱۶۵ ھ (۷) گلشن گفتار مولفہ خواجہ خان
حمید اورنگ آبادی ۱۱۶۵ ھ —

ممکن ہے کہ دو ایک اور بھی تذکرے ہوں جن کا پتہ اب تک نہیں لگا - سید امام الدین خان، خان آرزو، سودا اور خاکسار کے تذکرے اب تک دستیاب نہیں ہوئے، البتہ بعض کتابوں اور تذکروں میں ان کا حوالہ ملتا ہے - باقی شاید ہی گردیزی کی نظر سے گزرے ہوں کیونکہ یہ ایسے مقامات میں لکھے گئے تھے جہاں سے ان کا گردیزی تک پہنچنا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا - اس نے اپنے سارے تذکرے میں کہیں کسی تذکرے کا حوالہ نہیں دیا بلکہ اشارہ تک نہیں کیا یہاں تک کہ خان آرزو، میر، خاکسار اور سودا کے حالات میں ان کے تذکروں کا مطلق ذکر نہیں کیا - البتہ قرائن سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ میر کا تذکرہ اس کی نظر سے ضرور گزرا ہے - اور دیباچے میں جو اس نے تذکرہ نویسوں کے خلاف

کی تاریخ اس مصرعے سے نکالی ہے —

کہا ہاتف نے انتخاب صاف *

اس سے سنہ ۱۲۲۴ نکلتا ہے —

گردیزی نے اپنا تذکرہ ایسے زمانے میں لکھا جب کہ ریختہ گو شعرا کے صرف چند ہی تذکرے لکھے گئے تھے ۔ ان تذکروں سے وہ اپنی بیزاری ظاہر کرتے ہیں اور تذکرہ نویسوں کو یہ الزام دیتے ہیں کہ ان عزیزوں نے اپنی تالیف کی علت غائی معاصروں سے ستم ظریفی اور اپنے ہمسروں کی خردہ گیری قرار دی ہے ' اصل حقیقت کے اظہار میں اختصار سے کام لیا ہے اور بے اعتنائی کی وجہ سے اکثر "نازک خیال ' رنگین نگار" شعرا کے حالات قلم انداز کردیے ہیں ۔ اور حالات و اشعار کے بیان میں صریح غلطیاں کی ہیں ۔ یہ رنگ دیکھ کر خود ایک تذکرہ لکھنے کا ارادہ کیا جس میں نامور شعرا کے حالات بے رو و رعایت اور ازروے انصاف درج کیے ہیں اور ترتیب حروف تہجی کے حساب سے رکھی ہے —

گردیزی نے ان تذکروں کے نام نہیں لکھے ' لیکن جہاں تک تحقیق سے ہمیں معلوم ہوا ہے گردیزی کی تالیف کے زمانے میں یا اس سے کچھ قبل '

---

* دیباچۂ ارشادات (قلمی)

فروغ نہ ہوا —

دوسرا ثبوت اس بات کا کہ میر صاحب کا تذکرہ گردیزی کی نظر سے گذر چکا تھا ' یہ ہے کہ میر صاحب نے ریختے کی فصاحت وغیرہ کے متعلق جو خیالات اپنے تذکرے کے آخر میں ظاہر فرمائے ہیں ' جو بہو وہی گردیزی نے اپنے تذکرے کے دیباچے میں نقل کردیے ہیں ' البتہ کہیں کہیں الفاظ کا تغیر ضرور پایا جاتا ہے —

ہمارے اس قیاس کی تائید میں ایک پر لطف بات یہ ہے کہ میر صاحب کے حالات میں صرف دو تین ہی سطریں لکھی ہیں جس سے صاف بے اعتنائی ٹپکتی ہے اور طرفہ یہ ہے کہ ان کے کلام کی تعریف میں وہی چند لفظ لکھے ہیں جو اس سے قبل حشمت کے کلام کی توصیف میں لکھ آیا ہے —

حشمت کی نسبت لکھا ہے

" دیوانش دفتر سحر کردہ و چشمے آب دادہ ' حقا کہ دراں تلاش معنئی تازہ کردہ و الفاظ رنگین بروے کار آوردہ " —

میر صاحب کی نسبت فرماتے ہیں

" دفتر سحر اشعارش سودہ و چشمہ آب دادہ ' حقا کہ دراں تلاش معنئی بیگانہ

رہر اگلا ھے اس کا ھدف نکات الشعرا ھی تھے ۔ میر صاحب
پہلے تذکرہ نویس ھیں جنھوں نے صحیح تنقید سے کام
لیا ھے اور جہاں کوئی سقم نظر آیا ھے بے رو و رعایت
اس کا اظہار کردیا ھے اور ھر شاعر کے متعلق جو ان
کی رائے ھے اس کے ظاھر کرنے میں انھوں نے مطلق
تامل نہیں کیا ۔ یہ بات ھمارے تذکرہ نویسوں میں عام
طور سے مفقود ھے ۔ وہ اپنے گروہ کے شاعروں کی جا و
بیجا تعریف کرتے ھیں اور حریف گروہ والوں کی تعریف
اول تو کرتے نہیں اور جو کرتے بھی ھیں تو دبی زبان
سے اور اس میں بھی کوئی چوٹ ضرور کر جاتے ھیں ۔
میر صاحب کی شان اس سے بہت ارفع تھی وہ کسی
جتھے سے تعلق نہیں رکھتے ۔ علاوہ اس کے میر صاحب
نے حالات بیان کرنے میں بھی تا مقدور صحت سے
کام لیا ھے اور بعض غلط فہمیوں کو سب سے اول انھوں
نے رفع کیا ھے —

بعض اور اصحاب کی طرح گردیزی کو بھی یہ بات
ناگوار گزری کہ اس کے بعض دوستوں پر میر صاحب
نے بیباکی سے نکتہ چینی کی یا ان کی طرف سے
بے التفاتی کی ۔ لہذا حق دوستی ادا کرنے کے لیے اس
نے خود ایک تذکرہ لکھا جسے افسوس ھے کہ

کے لکھنے کا قصد کیا ہے اس کا کتاب میں کہیں نشان
نہیں ملتا - اس میں کہیں غلط حالات کی تصحیح کی
گئی ہے نہ معلوم ہمسروں اور ہم عصروں کی بیجا
خردہ گیری کا جواب دیا گیا ہے نہ اُن نازک خیال
رنگین نگار شعرا کے حالات کا اضافہ کیا گیا ہے جو دوسروں
کی بے اعتنائی کے شکار ہوگئے تھے اور نہ ان حقائق کو
آشکارا کیا جو دوسرے تذکرہ نویسوں کے ایجاز کی وجہ سے
نظروں سے پوشیدہ تھے - ایسی صورت میں اس کا دعوی
بے دلیل اور اس کا الزام بے بنیاد ہے —

گردیزی نے کل اٹھانوے شعرا کا تذکرہ لکھا ہے جن
میں تقریباً اڑسٹھ ایسے ہیں جن کے حالات ایک ایک
دو دو سطروں سے زیادہ نہیں - باقی کو تین تین چار
چار سطروں میں نپٹا دیا ہے البتہ مظہر جان جاناں اور
خان آرزو پر آدھ آدھ صفحہ لکھا ہے اور یقین کے لیئے صرف آٹھ
نو سطریں ، اگرچہ وہ اس کے بہت مداح ہیں ، اس
اس پر بھی حالات کچھ نہیں - مجموعی طور سے دیکھا
جائے تو طویل انتخابات وغیرہ ملا کر فی شاعر ایک صفحے
سے کچھ ہی زیادہ کا اوسط پڑتا ہے - ایسی حالت میں
دوسروں کو ایجاز و اختصار کا الزام کس منہ سے دے
سکتے ہیں —

کردہ است و حرف آشنا را بروے کار
آوردہ " —

کہاں حشمت اور کہاں میر صاحب ! اور یہ رنگی
پھیکی تعریف بھی حسن نے دل سے کی ہے وہ ظاہر
ہے خصوصاً جب ہم اس کا مقابلہ دوسرے معمولی شاعروں کے ذکر
سے کرتے ہیں جو گردیزی نے اپنی کتاب میں کیے ہیں
تو اور بھی حیرت ہوتی ہے ۔ لیکن سب سے بڑی ستم
ظریفی یہ کی ہے کہ حالات کے بعد میر صاحب کے
کلام میں سے صرف ایک شعر نقل کیا ہے اور وہ بھی بہت
ہی معمولی ۔ حالانکہ معمولی سے معمولی اور گمنام
شاعروں کا کلام سے بھی (جب مل گیا ہے تو) صفحے دو
صفحے ضرور نقل کردیے ہیں —

یہ گویا اس نے انتقام لیا ہے ' لیکن انتقام لینے
والا اکثر گھاٹے میں رہتا ہے ۔ وہ سمجھا ہوگا کہ اس
کے بعد میر صاحب کا کلام نظروں سے گر جاے گا اور کوئی
اس کا پڑھنے والا نہ ملے گا ۔ معاملہ اس کے بر عکس
ہے ۔ میر صاحب کی قدر اب بھی ویسی ہی ہے
جیسی ان کے زمانے میں تھی اور گردیزی کے تذکرے کو
کوئی جانتا بھی نہیں —

گردیزی نے جس دعوے کے ساتھ اس تذکرے

پچیس ایسے شاعر ہیں جو میر صاحب کے تذکرے
میں نہیں پائے جاتے —

یہ تذکرہ سنہ ۱۱۶۶ ھ میں تصنیف ہوا جیسا
کہ خاتمہ پر خود مولف نے تحریر کیا ہے - یعنی
اس کی وفات سے اٹھاون سال پہلے کی تالیف ہے -
اس سے ظاہر ہے کہ یہ مولف کے ابتدائی زمانہ کی
مشق ہے —

ہمارے شعرا کے تذکرے گو جدید اصول کے مطابق
نہ لکھے گئے ہوں تاہم ضمنی طور پر ان میں
بہت سی کام کی باتیں مل جاتی ہیں جو ایک
ادیب اور محقق کی نظروں میں جواہر ریزوں سے
کم نہیں ہوتیں - اسی لیے انجمن ترقی اردو نے قدیم
تذکروں کے شایع کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے اور یہ بھی
اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے —

یہ تذکرہ ہم نے تین مختلف قلمی نسخوں سے
مرتب کیا ہے - ان میں سے ایک خاص طور پر قابل
ذکر ہے جیسا کہ کاتب تذکرہ کی عبارت سے معلوم
ہو گا کہ وہ حیدرآباد میں سید عبدالولی عزلت کے لیے
سنہ ۱۱۷۲ ھ میں (یعنی تصنیف سے چھ سال بعد) لکھا گیا تھا -

عبدالحق -

مولف نے انھیں شاعروں کا تذکرہ لکھا ہے جو اس
کے ہم عصر تھے اور ان میں اکثر سے بالواسطہ یا بلا
واسطہ اس کی ملاقات تھی ، جس کا اظہار اس نے
موقع موقع سے کردیا ہے ۔ کلام پر رائے معمولی
اور شاعرانہ انداز میں ہے ، کہیں ان کے طبع نقاد
کی جودت یا ذوق سخن کی کیفیت کا اظہار نہیں ہوتا ۔
البتہ دو مقام ایسے آئے ہیں جہاں انھوں نے اپنی
معمولی چال چھوڑ کر سخن گسترانہ قدم اٹھایا ہے ۔ پہلا
مقام وہ ہے جہاں حزیں کے شعر پر اعتراض کیا ہے
(ملاحظہ صفحہ ۳۷ ۔ ۳۸) اور وہ اعتراض بھی بے جوڑ
سا ہے ۔ دوسرا مقام خاکسار کے حالات میں آتا ہے ۔
اگر چہ وہ اس شخص کے قائل نہیں لیکن اس بات پر
بہت خفا ہیں کہ بعض صاحبوں نے اس کے اشعار
کو نا موزوں کہا ہے اور زمرۂ شعرا سے خارج کردیا ہے ۔
یہ انھی میر صاحب پر چوٹ ہے[1] —

گردیزی نے کل اٹھانوے شعرا کا تذکرہ لکھا ہے ۔
میر صاحب کے ہاں ایک سو دو شعرا کا ذکر ہے ۔
میر صاحب کے تذکرے میں ایسے اکتیس شاعروں کا ذکر
ہے جو گردیزی کے تذکرے میں نہیں اور گردیزی کے ہاں

---

[1] نکات الشعرا ص ۱۲۲ (مطبوعہ انجمن ترقی اردو)

بسم الله الرحمن الرحیم

ابتدای سخن بحمد سخن آفرینی سزا است که سر لوح نسخهٔ کائنات را بنور محمدی مذهب نمود و افتتاح کلام بنای متکلمی روا است که سجل رسالت را بمهر نبوتش مزین فرمود. ثم اتم الصلاة در آن دیباچهٔ دیوان ایجاد و فطرت که دفتر منشیان بلاغت نشان تا ابد حدش معلوم نه گردد و شیرازهٔ جمعیت نه پذیرد. و اکمل تحیات بآن خاتمهٔ مصحف نعمت و رسالت که تا صدر دیوان شعرای فصاحت بیان به نعتش مزین نشود حسن قبول بخود نگیرد. و چون چمن گلهای مناقب نثار اولاد نامدار و اصحاب اخیارش باد که یگانهٔ درگاه صمدیت وخاصهٔ بارگاه احدیت اند رضوان الله تعالی علیهم اجمعین –

اما بعد آبیار گلستان لفظ و بوستان معنی فقیر المدعو به علی الحسینی الگردیزی مکشوف مشفقان * راست آئین و

* [ب] منصفان –

نقد جان و خون دل دست می دهد درین کساد بازاری و زولیده زور کاری عرض دادن آبرویش بر خاک ریختن و در عرض آن اوستادان است - بنا برین از مدتے دکان سخن را تخته بیهوده مهر سکوت بر لب گویا زده دست از تسوید نظم و نثر کشیده زندگی دو روزه بسری می کرد لیکن از آنجا که عشق سخن به آب و گلم سرشته اند و تخم معنی دوستی جاگیر گشته از ملاحظهٔ تذکرهاے احوال زمان که مشتمل بر اسامی ریخته گویان عهد مقرر ساخته اند و علت غاے تالیف شان خرده گیری همسران و ستم ظریفی با معاصرانست در اظهار مافی نفس الامر ' دامن‌دار پیر داخته اند از جهت عدم اعتنا و قلت تتبع کرد اکثر نازک خیالان رنگین نگار را از قلم انداخته معهذا در تصحیح اخبار و تحقیق احوال اکثره غلط صریح نگارنده و خطا هاے نمایاں کرده اند ' بخاطر فاتر رسید که تذکرهٔ مرقوم سازد بے رو دیده گی از روے انصاف خالیا عن الاعتساف و اسامی نامی شعرا را به ترتیب حروف تهجی بنویسد تا حاضران را تذکارے و غائباں را یادگارے بود اند در قادله —

غرض نقشیست کز ما یاد ماند — که هستی را نمی بینم بقائے

مگر صاحبدلے روزے برحمت — کند در حق این مسکین دعائے

---

[۱] [ن] نفس الدهر

دیده‌وران حق بین می گردانند که درین دے ماه فضل و کمال و برگ ریز گلشن فکر و خیال که از هجوم ورود طبائع واژون افسردگی دارد بر عروض وقائع شده مهری یاران گرم جوش و پر مردگی دوستان اصحاب بیهوش ، تیغ در جگر نگار شکسته است و هم گرم در گلو شکسته ، فضای گفتگو کجا است و سر تکلم کرا ، نعم ما قیل ـ

کجا است محرم رازے که عقده بکشاید

که آه در جگر و ناله در گلو گره است

از بے مهری سپهر نا هنجار چه نالم که مصرع مسرت و دل خوشی را مانند نقش بے باطل از صفحهٔ روزگار حک ساخته و از نا رسائی * زمانه نا هنجار چه گریم که بے بهجت و خورمی زادسان نقش باطل از دیوان لیل و نهار در انداخته ـ اکنون مضمونے عمر از خاموشی بگرد دل نمی گردد و معلوم در آب بستن ناخاطر نمی گردد مگر غزلے در مرثیهٔ دلهاے مرده گفته شود ولے نوحه و فریاد واگرآید † مع ذالک پیش هم پیشگان خسیس مداوا و خرده گیران بیمایهٔ کار ماجرا که قوالب خالی از جان وصور عاری از معنی اند سخن را که بهیں متاع و مهین کالاے دکانچه صناعت است و اصرف

* [ب] ناسازی زمانهٔ نا نکار † [ب] کرده آید

دیگرے بعید و در آں مقام معنی بعیده ملحوظ شاعر
باشد و قرینه متروک آن. و انداز که منحصرا ر تازه
گویان زمان است محیط صنعتهاے فصاحت و بلاغت
است - فصاحت کلام عبارت از خلوص آنست از ضعف
تالیف عبارت از کلام غیر مطابق قواعد مشهوره
نموده است و تنافر کلمات تعدد آنست نزدان و بلاغت
عبارت از مطابقت کلام است بمقتضاے مقام مع فصاحت
کلام و "مقام" چیزے است که متکلم را باعث است
بر تکلم علی وجه مخصوص از انجا که بیان معانی
حواله به کتب مبسوطه است و بدون مطالعه آنها
بطریق اولی حاصل نمی گردد و دریں جا راه ایجاز و
اختصار می پیماید و در اطالت و اطناب نمی کشاید
و چشم از مشفقان راست بین که دیده را بکحل الجواهر
انصاف نورانی ساخته اند آن دارد که بحکم بشریت که
خطا رسم آبائی است اگر تقدیم ما حقه التاخیر و
تاخیر ما حقه التقدیم در الفاظ و معانی این عاصی
که چند حرف کاغذ را مانند نامهٔ اعمال خود سیاه نموده
است یابند کار به ستاری فرموده پرده از روے معائب
نه کشایند و از نا پلنگی آهو نه گیرند که این کار
سگ است بلکه از راه کرم بتصحیح اغلاط متواقعه پردازند

بعد هذا آشنایان این فن را مخفی* نماند که چون تذکرهٔ
ریخته گویان است سمهٔ از معنی ریخته بتقریب سخن در مطاوی
خطبه مذکور می گردد والی الله تصیر الامور ۔ و آن
شعری است بزبان اُردوی معلی مملکت هندوستان
حرسه الله تعالی بطرز شعر فارسی در موزونیت و
انتهای آن بر چند قسم است۔ قسمی است که مصرع
اول فارسی و ثانی هندی و دوم که نصف مصرع
فارسی و نصف هندی باشد۔ نزدیک بارهٔ گویان
مستحسن و مستقیم است اما ترکیبات فارسی که
مناسب و مانوس بزبان ریخته اُفتد جائز و ترکیب
غیر مانوس الاستعمال جائز نے۔ و فارق و ممیز این
امور هر صاحب سلیقه زبان دان که با فصاحت
و بلاغت آشنا باشد دیگری نمی تواند شد۔ و ایهام
که در زمان سلف ترویج یافته بود اکنون طبیعت
ها مصروف باین صنعت کم اند مگر بسیار پسندگی
و رنگی نسته سود۔ و ایهام در اصطلاح ارباب
بدیع عبارت ازان حرف است که تکلاے بهت دور
باشد و آن در معنی دو محل داشته باشد، یکی قریب و

---

* (   ) نگارنده ۔

حالی غیر از صرف اوقات در تحصیل و افادهٔ طلبهٔ علم نصب العین او نیست. گاهی به تفنن طبع ریخته هم می گوید و مذاق اردو و بیان مضمون که بنای ریختهٔ ایشان ریخته اند استنباط سخن با و دارند و زبان ریخته از و گرفته اند —

پھر کر نظر نہ آیا ہم کو سخن ہمارا
گویا کہ تھا چھلاوا وہ من ہرن ہمارا

تیرے دہن کے آگے دم مارنا غلط ہے
غنچے نے گانٹھ باندھا آخر سخن ہمارا

جاں تجھ پر کچھ اعتبار نہیں
زندگانی کا کیا بھروسا ہے

رکھے سی پارۂ گل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن کے بیچ گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے

ہر صبح آوتا ہے تیری برابری کو
کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

مے خانے بیچ جا کر شیشے تمام توڑے
زاہد نے آج اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے

وعدے تھے سب خلاف جو اس لب سے ہم سنے
کیا لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا

تجھ زلف میں اٹک نہ رہے دل تو کیا کرے
بے کار ہے اٹک نہ رہے دل تو کیا کرے

که درین قول است مصرع :- مو بزرگان را عیب پوشی
به از تن پوشی - زیاده الله تعالی از آئینهٔ دلها
کدورت اعتساف زداید و صیقل و صفاے انصاف کرامت
فرماید که الانصاف خیر لاوصاف —

—— ⁑ ——

حرف الالف

آرزو

چراغ بزم گفتگو سراج الدین علی خان "آرزو"
نهال همتش از ریاض خاندان شیخ محمد غوث
گوالیری قد کشیده و از ابتداے بهار جوانی جاده
شاهجهان آباد چمن بنیاد گزیده الحق در قلمرو سخن
فرمان رواست و به رنگ بلند ادا و لاغیری سرا - دیواے
ضخیم با قصائد غرا جمع نموده تمام دیوان سعدی و
سلیم را جواب گفته و در جواب محمود و ایاز زلالی
مثنوی به سوز عشق دارد و دران نشهاے نسخهار کرده
داد معنی یابی داده و در اکثر اشعار معاصرین مثل
افضل المتاخرین شیخ محمد علی حزین از سنخ ظریفی
و علها و گرفتهاے وارد و عذر وارد دارد - و تا الی یومنا هذا در

مشتاق ہیں ہر خواص نہیں آبرو تو کیا ہے
یہ رو تجھ روتھ چلتا چل چل کے پھر ٹھٹکتا

یہ سبزا اور یہ آب رواں اور ابر یہ گہرا
دوانا نہیں کہ میں گھر میں رہوں اب چھوڑ کر صحرا

سر سے لگا کے پانوں تلک دل ہوا ہوں میں
یاں لگ تو فن عشق میں کامل ہوا ہوں میں

آغوش میں دیواں کی کرتی ہیں تغافل آنکھیں
کوئی پوچھتا نہیں ہے مسجد میں خون ہوا ہے

کرتے تو ہو تغافل پن حال آبرو کا
دیکھو تو تم پیارے بے اختیار رو دو

مجھ ناتواں کی حالت وہاں جا کہے ہے اڑ کر
میرا یہ رنگ رو ہے گویا سکھی کبوتر

خوب تیری شکل آ سکتی نہیں تصویر میں
مدتیں گزریں مصور کھینچتا ہے انتظار

آبرو کے قتل کو حاضر ہوا کس کر کمر
خون کرنے کو چلے عاشق پہ تہمت باندھ کر

کیوں چھپا ظلمت میں گر تجھ لب سے شرمندہ نہ تھا
خاں کچھ پانی مرے ہے چشمۂ حیواں کے بیچ

سبھی اوروں کا تسلط ہو کے سلتا اور سب کہتا
مگر اک آبرو کی بات سب کہنے تو پی جاتا

انساں ہے تو کدھر سے کہتا ہے کیوں آیا
آدم تو ہم سنا ہے کہ ہے خاک سے بنا

اشتیاق

بزہد و ورع مشہور آفاق شاہ ولی اللہ "اشتیاق" از اکابر شیخ مجدد الف ثانی است و طبعش موحد معانی با وصف شغل علوم دینی فکر شعر می نمود سالے چند ازین پیش راہ جادہ مرگ پیمودہ است —

لڑکوں کے پتھروں کی لگے اُس کو کیونکہ چوٹ
ہر ایک گرد باد ہے مجنوں کو ڈھول کوٹ

—§*§—

آبرو

شمع محفل گفتگو شیخ نجم الدین مبارک آبرو گوالیر متوطن بزم آرائے معانی است و خاطرش گنجینۂ گوہر سخندانی حقا کہ معنی تلاشی را بر طاق بلند گذاشتہ و بافتتاح مملکت سخن رایت شاہی افراختہ در نارنول مدتے درفاقت حضرت ادبی دام ظلہ بسر بردہ و تعلقات نمایاں موصول گردیدہ است —

آیا ہے صبح نیند سے اُٹھ رَسمسا ہوا
جامہ گلے میں رات کا پھولوں بسا ہوا

بوسہ لبوں کا دینے کہا کہہ کے پھر گیا
پیالا بھرا شراب کا افسوس گر گیا

تھا قبول آبرو کا دل جاؤں کا آس کلی
ہو کر کے بے قرار دیکھو آج پھر گیا

کم مت گنو یہ بخت سیاہوں کا رنگ زرد
سونا وہی ہے جو ہو کسوٹی کسا ہوا

انتظار سے زیادہ مت یار جوش میں
ہو جان حد سے زیادہ بڑھا سو مُسا ہوا

خدائی کے رسالے کی سخن کیا زبان‌دانی کہیے
کہ اُس ظالم کی جو ہم پر گھڑی گزری سو ڈھنگ بدلا

نہ چھوڑے گا پیارے جی کسی
تمہارا ہمدم کے کہنا یہ ادی کا

کیا قہر ہے پیارے مکھ کا ترے مٹکنا
پھر قہر پر قیامت یہ زلف کا لٹکنا

جس گال پر صفا پر نظریں نہیں ٹھہرتیں
اُس گال پر عجب ہے دل کا مرے اٹکنا

ابرو عجیل جس پر تل کا رکھا ہلیہ
ہر زاغ بوالہوس کو مشکل یہاں پھٹکنا

اسپند کر کے مجھ پر مُلا کے تعویں جلاؤں
کیوں مارتا ہے نازک رخسار پر چٹکنا

زاہد ہے آج مجلس رنداں میں نیم جاں
خرگوش جیوں کہ ڈھیر میں آ ادھ مُسا ہوا

رہتی ہے دل میں مصرع دل چسپ کی طرح
گھر دار ہو ہے سرو قدوں کا برائے بیت

زلف کی شان مکھ اُپر دیکھو
کہ گویا عرش میں لٹکتی ہے

تمھاری لوگ کہتے ہیں کمر ہے
کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے

یوں آرزو دکھاوے دل میں ہزار باتیں
جب روبرو ہو تیرے گفتار بھول جاوے

اُٹھ جب کہوں جنوں سے خاطر نچنت کی
آئی بہار تجھ کو خبر ہے بسنت کی

جہاں تجھ خو کی گرمی تھی نہ تھی کچھ آگ کو عزت
مقابل اُس کے جو ہوتی تو آتش لکڑیاں کھاتی

لٹک چال سجن کا بھولتا نہیں اب تلک مجھ کو
طرح وہ پانوں رکھنے کی مری آنکھوں میں پھرتی ہے

حسن ہے پر خوب رویاں میں وفا کی خو نہیں
پھول ہیں یہ سب پن ان پھولوں میں ہرگز بو نہیں

زندگی ہے سراب کی سی طرح
پائندگی حباب کی سی طرح

تجھ اُپر جوں ہے گداہوں کا
چڑھ رہا ہے شراب کی سی طرح

کون چاہے گا گھر بسے تجھ کو
مجھ سے خانہ خراب کی سی طرح

یہ رسم ظالمی کی دستور ہے کہاں کا
دل چھین کر ہمارا دشمن ہوا ہے جاں کا

ہر اک نگاہ میں ہم سے کرنے لگی ہیں نوکیں
کچھ تو ڈری نہیں یہ پکڑا ہے طور دانکا

حمدوں کے طور گویا دیوار قہقہہ ہے
پھر کر پھرا نہ لڑکا جو اس طرف کو جھانکا

پریشاں تر ہے تیری زلف سے احوال عاشق کا
سیہ دونا ہے آنکھوں سے یہ ماہ و سال عاشق کا

دیے رخسار سینوں پر جو مارا زلف نے کلکل
اپنا ہے چھین یارو اژدہا نے مال عاشق کا

نزاکت سے نکل سکتی نہیں تصویر تجھ تن کی
مصور نے سخن ہر چاند سر سر اپنا جی کاڑھا

چھوڑ زر کٹے خاک میں حاصل کیا تو کیا ہوا
ساتھ کچھ جانے کا نہیں سب کچھ لیا تو کیا ہوا

غیروں کے ساتھ شب کو چلتے ہو چال اور ہی
دیکھیں روش تمہاری جاؤ ہمیں پہچانا

حکمت کی تیغ سیتی کاٹو رقیب کا سر
اُٹھو آو آبرو کے کر قتل کا دہانا

مفلس جو شیخ یاری کر کر نہ ہو دوانا
سودا دینے کا اس کا جی ہے کہ نقد جر چا

جو کس بھلا لگا پیارے ہم سے کہ آج روٹھا
دیکھا یہ ان ملنے کا ہم روٹھنا انوٹھا

کریں جو بندگی ہوویں گنہگار
بتوں کی کچھ نرالی ہے خدائی

جن نے آ ہاتھ سے اسد کے دامن پکڑا
یہ نہیں شرط مروت جو اسے خوار کرو

پرگھٹا ہے بوالہوس کا بھید پردے سے نکل
خط کے آنے میں حقیقت سب کی ظاہر ہو گئی

دیکھو تو جان ہم کو ملاتا ہوں کب ستی
دلوا خدا کے واسطے ٹک لال لب ستی

یہ جانو ہر ایک سے لازم نہیں ہے خوب
ہے بھیک مانگ کھانا بھلا اس کسب ستی

پانی میں ڈوب آگ میں جل کر مرو پن ایک
عاشق نہ ہو پکار کے کہتا ہوں سب ستی

باندھا ہے برگ پان کا کبھوں سر پہ سہرا
کیا آبرو کا بیاہ ہے بہت الطف ستی

اُس شوخ سرو قد کو ہم جانتے تھے بھولا
مل اوپری طرح سے کیا دے دیا ہے پالا

اے سرد مہر تجھ سے خوباں جہاں کے کانپے
خورشید پھر تھرا یا اور ماہ دیکھ ہالا

درخوں سے زرہ چلے ہے جیو کا کوئی سپاہی
یوں ڈھال چھوٹ جس کا مکھ پر رہے نرالا

چمکی دلا بیں کی دل چھین لے چلے ہیں
تیرے نین کو کن نے سکھلا دیا چھنالا

میرے پیارے سے واصف! اتنی دل کی بات جا کہنا
کہ جانے سے تمہارے جان کا مشکل ہے اب رہنا

ہم سے وعدہ یوں تھا تو جب جی دیوے ہمیں دوں تمہیں
جی دیا ہم نقد تم کو قرض اب ہمسدا کیا

جو لونڈا پاک ہے سو خوار ہے ٹکڑے کے تئیں عاجز
وہی راجا ہے دلی میں جو عاشق کے تلے پر جا

چوپڑ کے کھیلنے کا سارا یہ ہے حیلا سا
شاید کبھی وہ اڑ کا بیٹھے ہمارے پاس آ

پی کر شراب ہم کو جو تم ڈراؤنے ہو
کیا شوق کو ہمارے جانا ہے اور کا سا

رکھے کٹنی (ہیں) اس طرح کے لالچی کو کس طرح بہلا
چلی جاتی ہے فرمائش کبھو وہ لا کبھو یہ لا

سو نہالوں کا یہ زخم میوا   چاہتا ہے یہ پھل تو کر سیوا

عاشقوں میں جس کسی سے یار راضی ہو مرا
وہ مرا دشمن ہے لیکن چاہتا ہے جی مرا

صدر کب دیدار کا ہے اس کے تئیں فردا تلک
سو قیامت جان پر کرتا ہے دل آ جہی مرا

ہرگوری چھپ چھپ کے مت تاڑ اس کو اے دل مان جا
شوخ ہے ہندوستاں را دیکھ لے تو جان جا

(۱ ب) کوئی –

بوسے کا وعدہ کر کر مصری چبا کے بخشی
کہنے کو ان لبوں سے میٹھا بڑا سو جھوٹا

نالاں ہوا ہے جل کر سینے میں من ہمارا
پھوڑے میں بولتا ہے گرم آج اگن ہمارا

پھری کماں کے مانند مانع نہیں اکڑ کو
ہے ضعف میں دوتا یہ بانکپن ہمارا

خورشید کس طرح سے ہوا طالع آبرو
کیا دن پھرے کہ یار کا ایدھر کرم ہوا

کیا سبب تیرے بدن کے گرم ہونے کا سجن
عاشقوں میں کون جلتا تھا گلے کس کے لگا

تو گلے کس کے لگا، ایکن کسی بے رحم نے
گرم دیکھا ہوئے گا تیرے تئیں آنکھیں ملا

اشک گرم و آہ سرد عاشق کے سے پرہیز کر
خوب ہے پرہیز جب ہو مختلف آب و ہوا

ملنے کے شوق سے ہم گھر بار سب گنوایا
ملت میں مبرے گھر یار آیا تو گھر نہ پایا

دل غم سے کر کے لوہو، لوہو کا کر کے پانی
آنکھوں سیتی بہایا جب آبرو کہایا

سیم اوپر غیر کے رہتا ہے اب لوٹا ہوا
زر کے لالچ اس نڈر وہ سیم تن کھوٹا ہوا

ماہرو کن مہر لے جا کر چھچھوندر چھوڑ دی
گھر جلا عاشق کا ان لوگوں کا کیا ٹوٹا ہوا

انسان

عمدهٔ اُمرای دہلی خان اسد الله ولد انسان در عہد سعادت مہد حضرت فردوس آرام گاه بمنصب ہفت ہزاری و خطاب خان سامان خدمت و مکنت که منتہای مطمح امارت است رسیده مقصود اقران و امثال گردیده - با وصف کثرت مشاغل دنیوی با مقتضای موزونی طبیعت شعر دیوان ریخته می گفت و در معانی در تصوف می سفت - سالے چند زین پیش رخت از سرای حدوث کشیده بجہان قدیم مائل گردیده -

زمین و آسمان اور مہر و مہ سب تجھ میں ہیں انسان
نظر بھر دیکھ مشت خاک میں کیا کیا جھمکتا ہے

آزاد

خوش ذہن بالذات استعداد محصل فاضل آزاد زادگاہش دکن و طبعش موجد سخن با ولی ہم طرح بود و عمر را بہ آزادگی بسر برد -

آئین جہاں کی ساری آزاد صنعتوں پر
جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

کھیلے تھے رات چوپڑ گوٹیاں (ن *) ہوا تھا پوبارا
ہمارے رقیب سارے اور ہم نے رنگ مارا

گراں ہے سرمہ کے آدم کو رکھنا مکر کی دمڑی
ہر اک دانہ ہوا ہے آرزو کے دل کو سو من کا

میٹھا لگا ہے مجھکو تیرے ادا سے کیا خوب
یکبار پھر کے کہہ لے اپنی زباں سے کیا خوب

آنکھوں کی سج ہوئی ہے مژگاں بھواں سے دوسی
لگتے ہیں جیوں سپاہی ترکش کماں سے کیا خوب

تڑپتا رہتا ہے تب الگ جب تلک مرتا نہیں
دل کو جیوں سیماب اپنی بے قراری ہے حیات

‡ * ‡

آگاہ

محمد صلاح آگاہ شعرش دل پذیر است و ذکرش
دل جاگیر —

پھری میں کرو سیر جہاں کی تو مزا ہے
دن ڈھلتے ہی ہوتا ہے تدا سا گرری کا

(ن) گیاں -

و ذهن مستقیم دارد و بحکم من المهد الی اللحد گاه
گاه بملاقات می پردازد —

کہیو صبا تو اتنا مرے تلک ہو کے تئیں
آخر کسی دہی وجہ دکھا وے گا رو کے تئیں

گر ہم سے دواسوں کو تم آزاد کروگے
ویرانے جہاں کے سبھی آباد کروگے

— * —

آواره

'میر محمد کاظم' آواره برادر حقیقی میر
زین العابدین آشنا است و خسر پوره برادر کوچک
فقیر - بلا در جودت طبع سعر ابزدان ریخته می گوید —

اے عندلیب جاکے چمن میں کرے گی کیا
باد خزاں سے سب گل گلزار جھڑ گئے

— * —

الہام

'فضائل بیگ' الہام تخلص از ترتیب کرده های
سید عبدالولی عزلت است جز این دو بیت که در هندو
کلاوت بچنی کمده است بگوش نه رسیده —

احسن

احسن اللہ احسن بہ آبرو ہم طرح بود و در سخن تلاش معنی تازہ نمود، سحر را نظر ر ایہام می گفت و در معنی برسیدۂ مکرب دی سلطنت ۔ سالے چند زین پیش چشم از نظارۂ دنیا پوشیدہ و سر در نقاب خاک کشیدہ ۔

یہی مضمون خط ہے احسن اللہ   کہ حسن خوبروباں عارضی ہے

صدا کھیو اگر چاوے ہے تو اس یار دلبر سوں
کہ کر کر قول پرسوں کا گئے برسوں ہوئے برسوں

مگر الحان داودی ہے نعمت جاں کی تانوں میں
کہ آہن سے دلوں کو ہیں لے کر موم کرتا ہے

بری باتوں کی جو ہرگز نہیں اس کو جو انساں ہے
جو گالی سے زباں کو کام فرماوے سو حیواں ہے

—— * ——

آشنا

بیگانہ از زہد و ریا میر زین العابدین آشنا، نفس مہذب و سلامت طبع معلی (ن*) طبع سلیم

(*ن) در راستی گفتار و درستی افکار معلے ۔

حرف الباء

بہار

ٹیک چند بہار، بفقیر اخلاص دارد و اکثر جا بملاقات
می پردازد۔ هندو ئے ناسی کمالات کم بنظر در آمدہ،
در تحقیق لغت ہائے فارسی و موافق استعمال آن
کتابے ضخیم مسمی بہ بہار عجم تالیف نمودہ در بعض
مواقع دخلہا بر سراج اللغت خان آرزو و دیگر کتب لغت
نمودہ و رسالۂ ابطال ضرورت وغیرہ از مولفات اوست۔ گاہے
بہ تفنن طبع ریختہ ہم می گوید و از آنجملہ است ـــ

وہی اک ریسماں ہے حسن کو ہم تم تار کہتے ہیں
کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں

اگر جلوہ نہیں ہے کفر کا اسلام میں ظاہر
سلیمانی کے خط کو دیکھ کیوں زنار کہتے ہیں

اِتنا مردم کشی کا زور بیماروں نے کب پایا
غلط کرتے ہیں اُن آنکھوں کو جو بیمار کہتے ہیں

گیا ہے عشق کی رہ بیچ پا برہنہ بہار
تمام دشت ہے پر خار دیکھئے کیا ہو

جب سے اُس سرو رعنا کا ہوا ہے جلوہ گاہ
سبز دیکھوں شمشاد اُٹھتی ہے مرے سینے سے آہ

کلا ونتی ترے گانے سے دنگ ہیں　　بہت دیکھے سروں میں بولتی ہے
دیکھ تھاڑی بچے کو ناکارہ　　چڑھکے گانے لگی کلا ونتی

— * —

انجام *

نواب امیر خان عمدۃ الملک انجام عمدۃ الملک العلام، شاگرد میرزا بیدل مرحوم در فارسی، و در ریختہ گوئی و ہندی و علم موسیقی و لطیفہ و بدیہہ سرائی و حاضر جوابی و نقد کمالات بے بدل بود - ہفتش سال بیش ازین برحمت حق رسید، بالفعل این دو بیت از و بخاطر بود کہ داخل شد —

اب یہی احساں ہے جو ہرگز نہ ہوں آزاد ہم
پھر چمن میں جائیں کیا سمجھ لے کے اے صیاد ہم

نہ سن تو پند واعظ کا جو اپنے دھن میں پکا ہے
خدا حافظ مرا تو رنج یہی اک شرعی دھڑکا ہے

— + —

* دوسرے نسخے میں انجام کا ذکر حرف الالف کے تحت غلطی سے اس طرح مکرر کیا ہے —

امیر خاں کابلی - این شعر از امیر خاں کابلی است کہ در وقت حملہ مخالف نہ سہ ہزاری سر افراز بود —

کیوں طلائی رزم میں کیا ہم سے نادانی ہوئی
دختر رز سرم سوں مجلس میں آبادی ہوئی

کنعاں میں ماہ مصر نے کب سلطنت کری
کم ہے کوئی عزیز ہوا جو وطن کے بیچ

منظور سیر لالہ جو ہو اس بہار بیچ
پھولا جوش ہے دیکھ دل داغدار بیچ

کہتے ہیں عندلیب گرفتار مجھ کو دیکھ
امید چھوٹے کی نہیں اس بہار بیچ

دل ہمارا لے کے کیوں انکار کرتے ہو سجن
کس سے یہ سیکھے ہو تم لے کر مکر جانے کی طرح

توڑتا زنجیر خاقاں تھا پڑا بکتا بہار
لے گیا ہے شوخ میرے ہاتھ سے دل بے طرح

نہیں اُس شوخ سا رنگیں ادا گل — اگر رنگین ہوا تو کیا ہوا گل

عبث تشویش کیوں دیتی ہے گل کی طبع نازک ہے
یہ گستاخی نہیں ہے خوب مت کر شور اے بلبل

ناز و استغنا، عتاب اعراض سب جاں کاہ ہیں
قرب میں خوباں کے کیا معنی کہ ہو دل کا نشاط

نتیجہ حسن سے خدمت کا اگر یہ بے دماغی ہے
بجا ہے یہ جو کہتے ہیں کہ پھل پاوے ہے جو سیوے

اگر مارا پڑا دل ہات سے غمزے کے کیا غم ہے
سپاہی کی یہی معراج ہے رن بیچ سر دیوے

تڑپتا ہے پڑا جیوں نیم بسمل خاک و خوں میں دل
مقدور ہے جو کچھ اس صید پر صیاد کہا جائے

کہے ہیں یہ ستمگر قاتل بے تقصیر کیا کیجے
جو ان کے ہاتھ یوں مرنا ہوا مقدور کیا کیجے

سانورے سب ایک سے ہیں ظلم کرنے میں بہار
کم نہیں کچھ دل کے لے جانے میں کاکل چشم سے

بہار اُس گل بدن کا جو دوانا ہو تو کیا اچرج
فرشتے کا بھی من ایسے پری اوپر لبھاتا ہے

دیکھ کر کیوں کر نہ ہووے دل رقیبوں کا کباب
کس ادا سیتی صنم دیتا ہے ساغر وا چھڑے

کوئی کس ساتھ ایسی وصل گل میں دل کو پرچاوے
نہ ساقی ہے نہ ساغر ہے نہ مطرب ہے نہ ہمدم ہے

ہمیں واعظ ڈراتا کیوں ہے دوزخ کے عذابوں سے
معاصی گو ہمارے بیش ہیں کچھ مغفرت کم ہے

اُسی درگاہ سے حاجت روا ہوتی ہے عالم کی
جہاں دیتے ہیں بن مانگے فضولی ہے طلب لالا

جو کچھ جا کر گلستاں میں کیا ہے کیوں چھپاتے ہو
عیاں ہے آستیں کی چیں سے موج خون گل لالا

سبھی کرتے ہیں دعویٰ عشق کا قسمت ہے تو دیکھیں
صف محشر میں جس کے ہاتھ دامن ہوگا قاتل کا

کرے وہ سلطنت نہ عشق میں سینوں کے سر دیوے
تکلف بر طرف خسرو کو کیا فرہاد سے نسبت

خوش سخن کا حرف دل کو لاوتا ہے حال بوجھ
یہ غلط کہتے ہیں کچھ لذت نہیں ہے قال بیچ

فرہاد کو محبت کی ملتی نہ کبھی ہوتی
شیریں کا جو یک بوسہ ملتا شکر آلودہ

خط مرا اُس نگار نے نہ پڑھا   کیا لکھا تھا کہ یار لے نہ پڑھا

میں تو لکھتا تھا اُس کے نئیں نیرنگ
اُس تغافل شعار نے نہ پڑھا

بیدار

بیدار، در حالش آگہی دست ندارد —

ہما الماس و گوہر سے فزوں ہے تیرے دنداں کو
کیا تشبیہ اب دے ہمرنگ خجالت لعل و مرجاں کو

بیتاب

نکتہ سنج معانی یاب محمد اسمعیل بیتاب پایۂ
سخنش بلند است و حرفش دل پسند است —

نہ ہوتا گر کسی سے آشنا دل
تو کیا آرام سے رہتا میرا دل

تڑپ کر مر گئی بلبل قفس میں
پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں

نہیں معلوم کیا حکمت ہے سیہہ اس آفرینش میں
ہموں ایسا خرا ناتی کیا نم کو مدا جانی

فنا رہے حا و لطف بے موقع دلبراں کی ادا ہے کیا کیا کچھہ
محبت کی قلمرو میں اگر جاوے تو سن لے کا
کوئی آرے دلے چیرا کسی کو کوہ پر پٹکا

—— ‡✳‡ ——

بیرنگ

مستمند نرم افادۂ یکرنگ دلاور خان بیرنگ طبع سلیم
و ذہن مستقیم داشت و بعنوان سخنگوری علم می افراشت
سالے چند ازیں پیش راہ مراحل مرگ پیمود و رحمت بسراے
خاموشاں کشود' از وست —

یار کا جب خیال آتا ہے ہول میرا تمام جاتا ہے
دل کو تجھہ عشق سے قرار نہیں اب تلک تجکو اعتبار نہیں
نہیں مطلب مجھے کچھہ باغباں اور دوانا ہوں میں گل کے رنگ و بوکا
سدا بیدار رہ غفلت سے ہو ترش مثل مشہور ہے سو یا سو چوکا

ہے ہاتھ ترا خوں سے عاشق کے گر آلودہ
مہندی سے سجن مت کر ناز دگر آلودہ

مفلس کی خبر کب ہے اے سیم بدن تجکو
افشاں سے ترا ماتھا رہتا ہے زر آلودہ

قفس کے در کو دار اے بلبل اب صیاد کرتا ہے
خدا جانے کرے گا ذبح یا آزاد کرتا ہے

این دست بنام دیگرے هم مسموع شدہ

مجھے درد و الم رہتا ہے دم گھڑے میاں صاحب
جو لیتے ہوں کیسے ہو تم میرے میاں صاحب

جو اب نہ مر گئے تو پھر انتظار میں مر گئے
خدا جواں نہ دکھائے بہار میں مر گئے

تمام عمر شرابیں پیا کیے ساقی
ہزار حیف کہ آخر خمار میں مر گئے

——*——

بیان

خواجہ احسن اللہ بیان بحسن صورت و سیرت معنی است و بفہم و فراست مجلی - زاد گاهش اکبر آباد است و طبعش معنی ایجاد - مشق سخن از میرزا مظہر می کند چنانچہ گوید —

نقشے سے ثنا حضرت اُستاد کی کیا ہو
مظہر ہے خداوند کہ وہ شان اتم کا

کیا کیجے بیاں اُس کے وجود اور عدم کا
طاقچہ نہ دہاں کی ہے نہ مقدور قلم کا

پیام

شاعر افروز روشن کلام شرف الدین علی خان پیام
زاد گاهش اکبر آباد است و طبعش معنی ایجاد —

بات منصور کی تصویر ہے ورنہ عاشق کو اک سولی ہے

— * —

بسمل

بسمل، نمی دانم کہ بسمل کیست —

ہائے اس دیوانے دل نے کام کیا بُرا کیا
آپ تو بدنام ہی تھا مجھ کو بھی رسوا کیا

———

پاکباز

میر صلاح الدین پاکباز پسر سید کمال نبیرۂ سید جلال
از قطار پاکبازان تربیت یکرنگ است —

جلوے تمہارے حسن کے بت ہیں یہ ہم کہاں
تم تو سخن ہمیشہ ہو افسوس ہم کہاں

—— * ——

قزل باش خان

این شعر خوش گاہ قزل باش خان مرحوم است —

ہوئی آہ اب اس قدر نارسا
کہ سینے سے اٹھتی نہیں لب تلک

بہت ہی بیمار کا برا حال ہے
تغافل ارے بے خبر کب تلک

یہی دن ہے، ملنا ہے اس سے توسل
کہ جینا نہیں آج کی شب تلک

ادب سے یار کے دل میں بس خوں ہو گیا میرا
یہ بلبل ناتواں آخر قفس میں بھی ہوا بسمل

تڑپنے کے تماشے کی ہوس باقی ہے قاتل کو
موا جاتا ہے کیوں اتنا تک اک بھی پر ہلا بسمل

نکل سکتا نہیں ہے شکر کے عہدے سے قاتل کے
بیاں کس منہ سے مانگے اس سے اپنا خوں بہا بسمل

بیکل

سید عبدالوہاب بیکل را د کاهش دولت آباد است
و در سخن میر عبدالولی عزلت استاد او شان اند —

مرا دل گلبدن جاں لے، سات لے گئے
حنا کا رنگ ہاتوں ہات لے گئے

پری زلفوں نے کنگھی کئی پوچھ سکھلا
دل بیکل کو راتوں رات لے گئے

نکلے ہے لالہ خاک کے نیچے سے سرخ سرخ
رنگیں ہوا سپہدوں کے خوں میں نہا نہا

صاف منھ پر مدن نہیں کہتا کہ ہوگا اس کے پاس
ورنہ کیا واقف نہیں میں دل ہے میرا حسن کے پاس

کہنا تو صاف منھ پہ مروت سے دور ہے
آوے گا ایک روز مرا جان کام خط

خوں پتنگوں کے جلانے کا سبب ہوتی ہے شمع
تو انھوں کے غم میں اپنا جان بھی کھوتی ہے شمع

مسپھی پروانہ روشن کیوں نہ ہووے دھر میں
حسن کے بالیں پر تمام شب کھڑی روتی ہے شمع

جو نہ ہو اُس شمع رو کے عشق کا سینے میں داغ
کون سمجھہ ہے کس کی تربت پر کرے روشن چراغ

جان کر معنی کسی کے گر تمھیں دانہ ہے کہیں
صاحب خرمن کو کب ہے خوشہ چینی کا دماغ

عرض اپنا ہم ردا سوں کے سلیقے کا دیار
اس دل نادان کے سینوں سے اگر پاتا قرار

آتا ہے جی کوں دیکھہ کے جوش بہار حیف
اے عندلیب تو ہے قفس میں ہزار حیف

یہاں تک ہوں خستہ حال کہ دیکھے ہے جو مجھے
نکلے ہے اُس کے منھہ سنی بے اختیار حیف

میں دسکہ خاک سا ترے کوچے میں مل گیا
تس پر بھی تیرے دل میں ہے مجھہ سے غبار حیف

تاباں

اصل بلند گلشن ایمان میر عبدالحی، تاباں جوانے بود خوب صورت و خوش سیرت، شمع محفل جانہا و چراغ بزم دلہا، در خاک پاک ہندوستان گل جمالش برو مند شدہ و در ہمین گلزار بہ نشو و نما رسیدہ در عین عنفوان جوانی خاک مال ملک خورد و بساط حیات مستعار بر چیدہ داعی اجل را اجابت کرد —

تیرے ابرو سے مرا دل نہ چھٹنے کا ڈر کر
گوشت ناخن سے کہو کوئی جدا ہوتا ہے

ہے شور عشق مجھ میں یہاں تئیں کہ بعد مرگ
پروانہ مرغ روح ہو شمع مزار کا

قد حلقہ کماں اسی حسرت سے ہو گیا
تیر ہدف کبھی نہ ہماری ہوئی دعا

پاس تو سوتا ہے چنچل پر گلے لگتا نہیں
منتیں کرتے ہی ساری رات ہو جاتی ہے صبح

مرا بس ہو تو ہرگز خط نہ آنے دوں تیرے لیکن
لکھا قسمت کا کوئی بھی مٹا سکتا ہے کیا قدرت

آشنا یوں مجھ سے ایسا ہے کہ جیسا چاہئے
پر جو کچھ دل چاہتا ہے ہائے وہ ہوتا نہیں

عشق میں کیا ثابتی ہے سمجھ دل بے تاب کو
برقرار آتش اوپر دیکھا اسی سیماب کو

سرو کو رتبہ ترے آگے نہیں اے سبز پوش
ایک بچہ بازار خوبی کا ہے وہ سبزی فروش

دین سے دل کا رتبہ ہے سوا تجھ رو پرستی میں
کہ دل حافظ ہے اس مصحف کا آنکھیں ناظرہ خواں ہیں

تری آنکھوں کی کیفیت نے کھویا ہوش عالم کا
دوانوں کو کہے کیا کوئی متوالے ہیں مست والے

تیرے ابرو کی تیغ ہے ناز ہلال
حسن کو لگتی ہے خوب لگتی ہے

حرف الثا

نجور

میر عبداللہ، تخلص، شاگرد عزلت، زادگاہش دکن
است و طبعش موزوں بود۔—

تجھ رو میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں
خورشید کیا ہے اس کی فلک کو خبر نہیں

—*—

مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہنچو
ٹک تم کو دیکھ لیں ہم جلدی سے جان پہنچو

نہ پائی خاک بھی پامال کی ہم نے اے ظالم
وہ ایک دم ہی ترے رو برو ہوا سو ہوا

ترے پاس عاشق کی عزت کہاں ہے
تجھے بے مروت مروت کہاں ہے

مری گور پر لوگ رکھتے ہیں گل کو
تری دلربائی کی غیرت کہاں ہے

وہاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی
مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے

میرا جواب نامہ یہاں لکھ چکے پر اب تک
قاصد پھرا نہ لے کر وہاں سے جواب نامہ

گئے نالے ترے بیداد مانند جرس چپ رہ
اثر دیکھا تری فریاد میں دل ہم نے بس چپ رہ

دلوں کے شہر نا پرساں میں کس کی داد کو پہنچے
مگر وہاں اپنے نالوں کی صدا فریاد کو پہنچے

تمکین

صلاح الدین تمکین، معمورۂ شاہ جہان آباد بسر می
برد و ریختہ را ہموار می گوید —

ساقی ہو اور چمن ہو مینا ہو اور ہم ہوں
باراں ہو اور ہوا ہو سبزا ہو اور ہم ہوں

ایمان و دیں سے تاباں کچھ کام نہیں ہے مجھ کو
ساقی ہو اور مے ہو دنیا ہو اور ہم ہوں

جفا تو چاہئے اے سوچ مجھ پہ یہاں تک کر
کہ سب کہیں مجھے رحمت تری وفا کے تئیں

دیکھنا ان ساہرویوں کا نوا ے تاباں نہ چھوڑ
چاہتا ہے گر ہمیشہ دور بینائی کے تئیں

جیوں برگ گل ہے باغ میں شبنم ڈھلک پڑے
ایسا ہو کہ برگ تاک سے یوں مے ٹپک پڑے

محفل کے بیچ سن کے مرے سوز دل کا حال
بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

اتیں ہیں سماں تاباں جیوں شمع زبان میری
یہاں بات کے کہنے کی ہوتی ہے گنہگاری

سمجھ جو حج کو چلا چڑھکے گدھے پر یارو
زور نہیں ظالم نہیں عقل کی کوتاہی ہے

کہتا تھا ایک جی سو تیرے غم میں جا چکا
جز تو مجھکو خاک میں ظالم ملا چکا

گلی میں اپنی روتا دیکھ مجھکو وہ لگا کہنے
کہ کچھ حاصل نہیں ہونے کا ساری عمر رو بیٹھا

جواں فلک پہ نعمت الوان ہے کہاں
خالی ہے مہر و ماہ کے دونو رکابیاں

اس دل مریض عشق کو آزار ہے بھلا
چنگا ہو تو ستم ہے یہ بیمار ہے بھلا

جرأت

میر سید علی جرأت دل بستہ سہی قدان و رندانی حسن بیگو طلعتاں بود و تحصیل کتب متداولہ نمود شعر را کم می گفت و اگر می گفت کمتر می خواند چہ مطبوع بطرش اکثر این بود کہ شعر می باید آمدنی با شد نہ آوردنی - بفقیر اکثر ہا ملاقات می کرد سالے چند ازین پیش از دار الخلافت رحلت اقامت بدکن کشید و باز برحالش اطلاع نہ گردید —

بے خود جو ہوا اتنا تو دیکھ کے مے خانہ
حیراں میں ہوں کیوں کر پیوے گا تو پیمانہ

زنجیر کے کڑے سے کرتا ہے جنوں دونا
دیکھا نہیں اے جرأت تجھ سا کوئی دیوانا

دماغ گل پریشاں ان ترے بالوں سے ہوتا ہے
نہ کر نالہ نہیں اے بلبل تو فریاد و فغاں چپ رہ

نہ اسے چھوڑئیے کی کس طرح نہ زنجیر میں رکھیے
بہار آئی ہے کیوں کر جان زنجیر میں رہیے

حسن اور عشق کو حس دور کہ ایجاد کیا
مجھکو دیوانہ کیا تجھکو پری زاد کیا

— — ❀ — —

حرف الثا

ثاقب

شہاب الدین ثاقب طبع صائب و ذہن ثاقب دارد —

ثاقب کی نعش اوپر دا دل نے آکے پوچھا
یہ کون مر گیا ہے کس کا ہے یہ جنازہ

قتل کا کس کے ہے اب قصد تمہارے من میں
کیوں رکھاے ہو میاں سان پہ تلوار کے تئیں

چوٹیں کر دل کے تئیں درپے ایذا ہوے
یار کیجئے کس ایسے ہی دل آزار کے تئیں

— — ❀ — —

حرف الجیم

میاں جگن

میاں جگن حالہ زادۂ شہر اوگن جان است و زاد و
بومش ہندوستان ‌‌آرزو است —

سفیر و آویز ودیعت خواب را دستعمالے اہل سپرد ۔

غم نے آباد کیا خانۂ ویراں میرا　　ابر مژگاں سے ہوا سبز بیاباں میرا

خوب ، بوجھا ہے مرا عشق میں رسوائی کا
معتقد ہی سے ہوں اس دل کی میں دانائی کا

نہ لبوں میں سے ایا نہ ہوئی سخن تجھ سے کو
میں دوانا ہوں ان آنکھوں کی سدا سائی کا

کیوں نہ ہووے دل ہمارا ہائے خوں اس رشک سے
اُن لبوں سے برگ پاں یوں ہمزباں اب ہوگیا

یہاں فلک آنکھیں مری روئیں کہ ایک آنسو نہیں
بے طرح تاراج ان کا خانماں اب ہو گیا

بہار آئی ہے جب سے باد کرکر گلستاں اپنا
قفس میں ہائے بلبل کس طرح دیتی ہے جاں اپنا

یہ کہہ کر باغ سے رخصت ہوئی بلبل کہ یا قسمت
لکھا یوں تھا کہ وصل گل میں چھوڑیں آشیاں اپنا

کبھو کوئی جو بلبل دیکھ گل کوچی سدا پاتے ہیں
مجھے بے اختیار اُس وقت یاد آتا ہے جاں اپنا

جدا ہوتا ہوں میں ار بس نہیں تدبیر کو سکتا
مجھے لگتا ہے جس جس طرح سے پیارا سخن میرا

فرش ہوجاتا ہوں سنگ آستاں تیرے کو دیکھ
طور کا کرتے تھے جیسے حضرت موسیٰ ادب

بے ہوشیء حضرت موسیٰ از ظہور تجلی نور نہ ار

کیا اُس کے بیماراں کو اس امر کی پروا هے
گر یے ستی مجنوں کے تر دامن صحرا هے

سنگ طفلاں دیکھه کر کهاتے هیں دولا یه قوس
ده دوانا کس طرح کها تا هے پتهر وا چهرے

--- * ---

حرف الحا

حزین

صاحب تلاش معانی رنگین میر محمد باقر حزین
طبع رسا و فکر والا داشت و در ملک سخنوری علم شاهی
می افراشت ۔ غنچه استعدادش از نسیم انفاس میر را
مظہر شگفته ۔ چنانچه گوید —

اے حزین شکر که هے مصحف ارباب جنوں
فیض سے حضرت مظہر کے یه دیوان میرا

سالے چند ازیں پیش شاه جہاں آباد جنت بنیاد را
وداع گفته در گلشن بنگاله بسان بلبل هزار داستان نغمه
سرائی می کرد ۔ دریں ولا از میرزا مظہر مسموع شد
که لشکر عشق رعنا جوانے در شہر ستان دلش تاراج
آورده متاع صبر و شکیب را دنبالان برده در هجر

اُس پر نہیں ہوا ہے یہ دل مبتلا عبث
ناصح تک اُس کو دیکھ مجھے مت ستا عبث

ولا نگاہ مست ہے اس چشم گریاں کا علاج
مے سے ہوتا ہے خمار مے پرستاں کا علاج

سمع دعا کر پھرتے ہیں یہ جامہ زیباں کس طرح
اُن سے نہ لگے نہ میرا رشتۂ جاں کس طرح

دیکھے میں اس کے کب آدمی ہوں ایسی صورتیں
دیکھ کر مجھ کو نہ ہو آئینہ حیراں کس طرح

کیا قیامت ہے جو لے اُسے کو نظارہ چھپتا
صبر کر بیٹھے جو ان وہ ماہ کنعاں کس طرح

زخم پر دل کے مرے ناصح نہ تو مرہم لگا
ہوش نہیں آتا ہے مجھ کو درد خوباں کا علاج

گئیں یوں مجلسیں سب اس کی برباد
ہوا کس سے کسی سے ہائے فریاد

کریں کیونکر نہ ہم مجنوں کا ماتم
کہاں ملتے ہیں ایسے فن کے استاد

عشق کے فن میں تجھے ناقص کہیں گے اہل درد
کوئی ہوتا ہے حزیں غم سے ہراساں العیاذ

کوہکن کی مجلسیں اُدھر تھکا کے لگ گئیں
فن میں کی سیڑیں بے جا آدھر کے نکلیں سر پھوڑ کر

نہیں دیکھے کے اُدھر تجھ سے خوباں آشنا ہرگز
اُنھوں پر بھول کر اے دل نہ ہو تجھ سے جدا ہرگز

مشاهدۂ طور (ن *) بسط اس قصہ از فرط سیوع تاریہ سمجھ کہ حیلے داینار و اختصار ھی کو شیدہ شدہ مدا سے دہ اوفاد و من ادعی فعلیہ السلام

سر دوادیں گر تواضع سے دتاں کچھہ عدب نہیں
ساج گل ھے اس دراکت ساتھہ سردادیا ادب

دری سے دیوں آنکھہ منہ داوے کریں ھیں اس طر
دیکھکر حق کی تجلی مردم بینا ادار

یہ آھو رام تھے مجنوں کے سب لیلی کی خاطر سے
وگر نہ ان پری زادوں کو دیوانے سے کیا نسبت

ھم کمر یار کی سمجھے ھی رھے ھیں لیکن
ھرگز اس بات کا ھوتا نہیں ھم پر اثبات

مری رنگیں کلامی کا ھے و ہ گل پھوھں داست
کہ ھووے دلبلوں کی حوش صفیری کا چھن باعث

کوئی ھوتا ھے سنگ سینہ خسرو سے رقیبوں
ھوا نا حق ھلاک اسے کا آپی کوھکن باعث

جو ھوتا ھے کسو سے اس سب سے وحشت آتی ھے
مری صحرا دسیدی کا ھے سبزا من ھرن باعث

جریں ان شعلہ رحساروں سے جی کو مت لگا ھر
ھوئی آخر کو پروانے کے جلنے کی لگن باعث

(ن *) کما قال اللہ تعالی فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا و خر موسی صعقا

ایک ہم سے بات نہیں سکتی نکل آنسو بغیر
دل ہمارا ہو گیا ہے غم سے اب یہاں تک رقیق

نہ جانے کس طرف جانا رہا جو یاں سیتی نکل کر
نہیں ملتا ہے مجھکو مدتوں سیتی سراغ دل

دل لے کے اپنا کیوں عبث افسوس اب کھاتا ہے دل
جاتا رہا جب ہاتھ سے پھر ہاتھ کب آتا ہے دل

آتا ہے جو بہار دھڑکتا ہے جی مرا
پھر شور و شر کرے گا یہ خانہ خراب دل

غم نے لیا ہے گھیر مجھے یہاں تلک کہ اب
دیتا ہے ساتھ دینے سے مجھکو جواب دل

ملنے کے دن جو اسکے نکلتے ہیں کچھ نہ پوچھ
نکلے ہے دیکھنے کو ترے ہو کے آپ دل

آثار دیکھکر کے چمن کے خزاں کے بیچ
کیوں کر کرے نہ ہائے حزیں اضطراب دل

رحم آتا ہے ہمیں اس مشت خاک اپنی پہ ہائے
خوب رویوں کی ہوا میں یوں ہوئے برباد ہم

کچھ نہ آخر چل سکا ہائے ان زبردستوں ستی
لے گئے یہ دل کے تئیں کرتے رہے فریاد ہم

گیا سن ہوش مجنوں کا مرے دیوانہ پن کے تئیں
پتھر سر پھوڑتا اور کچھ نہ سوجھا کوہکن کے تئیں

میں دیکھوں کیوں کر اس دریائے خوبی کے دہن کے تئیں
گیا جی ڈوب میرا دیکھ اس چاہ ذقن کے تئیں

نہ ہوائے باغباں بلبل کو مانع گل کے ملنے سے
نہیں رہنے کی گلشن میں بہار آخر سدا ہرگز

مرا پائی نہ آخر چاہیے کی ہم نہ کہتے تھے
کہ ان خوباں سے اے دل جی کو اپنا مت لگا ہرگز

ہمارے واسطے کس کس طرح کے رنج کھینچے ہیں
حقوق اس دل کے مجھ سے ہو نہیں سکتے ادا ہرگز

دل کو کنگی وصلوں سے تھی ناخنوں میں جانے کی ہوس
حیف اب کے بھی نہ نکلی اس دوانے کی ہوس

خوب رو شاید مرا پاتے ہیں اپنے دور سے
اس قدر جو ان کو ہوتی ہے ستانے کی ہوس

جس قدر چاہے سجن اپنی جفا میں کر عروج
مجھ ستی ہرگز نہ ہووے گا وفا میں انحطاط

گوارا ہو گیا دل پر ہمارے جور یار آخر
ہمیں درد و الم سے آ گئی صحبت در آر آخر

اپنی جدا خبر لے اس کی جدا خبر لے
یہ ایک دل دوانا کس کس کی جا خبر لے

بے خبر رہتے ہیں جو کوئی عشق کی ادب سنی
وہ نہیں رکھتے مرے سے زندگی کے اطلاع

کیوں کہ ہو مجھ کو تسلی جاں وعدوں سے ترے
خوب رکھتا ہے مرا دل ؑ دل سے تیرے اطلاع

عشق کی گرمی سے ضعف آتا ہے مجھ کو ان دنوں
ہو گیا یہ درد دل آخر مرا درد دماغ

نہ پیر سور عشق میں جاری نہیں ہے پیس
مرے بغیر کچھہ نہ بنا کو ہکن سنی

آتے ہی تو بہار نہ جانے کرے گا کیا
ڈرتا ہوں اپنے دل کے میں دیوانہ پن ستی

آرزوئیں عشق کی ہووے نہ دیکھیں سو براہ
کوہکن بھی سر پٹک کر مر رہا آخر وہاں

لوگ کہتے ہیں ہمیں اس دل کے سمجھانے کے تئیں
کیوں کہ سمجھاویں کہو ایسے دوانے کے تئیں

ہو رہا ہے درد و غم سے عشق کے ار دس جدا
منتظر بیٹھا ہے ہو کے جی نکل جانے کے تئیں

آوے نہ کیوں کہ رشک مجھے نرگس بتاں ستی
اپنا ہے کہا مرا وہ سجن کے لباں ستی

دیا ناخن سے جی فرہاد نے یوں کہکے یا قسمت
لکھا تھا یہ کہ شیریں سے ملیں گے ہم قیامت کو

بے طرح دیوانگی پر عشق میں آیا ہے دل
دیکھئے اب رنگ کی میری کا کیا اسلوب ہو

حال اے قاصد مرا جو کچھہ کہ تو جانا ہے دیکھہ
اس طرح سے اس سے مت کہیو کہ وہ محجوب ہو

نام پر ان خوب رویوں کے فدا کرتا ہے جان
کیوں نہ ان طرحوں سے مجکو دل مرا محبوب ہو

کیوں کہ خاطر خواہ دل کے درد کی تقریر ہو
کب یہ معنی لفظ میں آئے ہیں کیا تحریر ہو

حریں سب دیکھ مرے جی پر گوارا ہو گئے لیکن
نہیں جاتا ہے دیکھا پاس غیروں کے سجن کے تئیں

کس کس طرح کی ایذا پہنچی ہے مجکو تم سے
میں مر گیا ہوں اے دل تیرے دوانہ پن میں

ناصح نہ اس طرح کی باتیں مجھے سناوے
دیکھے اگر سجن کو آکر مرے نین میں

اس بے وفا کے عشق سے کچھ مجکو حس نہیں
پانوں تلک بھی ہائے مجھے دسترس نہیں

حیراں ہوا جہاں سے چمن یاں تلک کہ ہم
چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں

کچھ کہا شاید ان نے قاصد سے
دل پہ میرے وہ اضطراب نہیں

ہ لوگ بے سمجھ تجھے کیا کیا کہیں گے جان
تلق بھی میرے جور پہ بارہ اب کہہ نہیں

ان بتاں کے دیکھنے کا جو کوئی مائل نہیں
زندگانی کا اُسے واللہ کچھ حاصل نہیں

وق میں شہریں کے آخر جی کو اپنے دے چکا
شق کے فن میں کوئی فرہاد سا کامل نہیں

بے وفائی دیکھکر ان خوش نگاہوں کی حریں
اب کسو سے اس طرح ملنے کا میرا دل نہیں

ب اب کہوں کر نہ آوے مجکو میرا گلستاں
ک دن سکھ سے نہ گزرا جب سے چھوڑا آشیاں

در نصیحت میں تری مانوں گا اے ناصح پر ایک
دلبروں کے دیکھنے میں جی مرا ناچار ہے

یاں تلک ان خوب رویوں نے ستایا ہے کہ اب
زندگانی سیتی اپنی جی مرا بیزار ہے

دیوانگی کو اپنی مرنے تلک نبھایا
ملتے کہاں ہیں کامل مجنوں سے فن کے اپنے

نہیں چھوڑتا ہے یہ دل جو یوں ستی مروڑیں
مارے ہوئے ہیں ہم تو اس بانکپن کے اپنے

میں ان خوبوں کے ملنے بن جو اپنے رنج کر پچھتاؤں ہوں
نہیں تقصیر کچھ ان کی مجھے یہ دل ستاتا ہے

نہیں کچھ جانتے جو سخت رو قدر اس دوانے کی
انہوں پر ہائے دل کس کس طرح سے جی جلاتا ہے

نہ کی کچھ فکر تم نے اپنے وعدوں کے وفاؤں کی
بھلی تم نے خبر لی جان اپنے آشناؤں کی

میں چاہتا ہوں عشق چھپاؤں پہ کیا کروں
رسوا کریں ہیں خلق میں یہ چشم تر مجھے

جب آرزوئیں دل کی ٹھکانے لگیں حزیں
گر قتل کر چکے وہ سپاہی پسر مجھے

نہ پائے ہم نے خوباں دوست اپنے آشناؤں کے
عبث ہم عمر کھوئے عشق میں ان بے وفاؤں کے

یہ لڑکے مارتے ہیں کیوں کر جلاویں جی ہر اک جی پر
یہ ہوتے ہیں بہت نازک مزاج ان میرزاؤں کے

بے طرح هم مبتلا پاتے هیں خوباں کا اُسے
دیکھیے اب اس دوانے دل کی کیا تدبیر هو

زندگی اور موت الگ جاوے ٹھکانے سب حزیں
عشق میں رهنا جوانوں کے سروں کر پیر هو

اس طرح سینے جو کھلایا هیں روز سیاه
کیا کیا تها سا دورے کا هاے هم ایسا گناه

اشک رنگیں کیوں رواں هوتے مری آنکهوں سےتی
گر نه پڑتی گل رخوں کی اے حزیں مجهه پر نگاه

نه آئی اس کے مرنے پر بهی شیریں جوے شیر اوپر
یه حسرت هی میں اپنے اب تلک فرهاد رکهتا هے

کچهه کٹتے هجر میں کچهه وصل میں گریاں گزرے
کیا مری عمر کے اوقات پریشاں گزرے

سان سمجهوں کی کسو کی نه رهی نظروں میں
جیل آهو میں جو هم چاک گریباں گزرے

خوباں کے هجر و غم نے کیا ناتواں مجهے
یاں تک که مو بهی تن په هوے هیں گراں مجهے

ان دلبروں کو دیکهه دل ایسا گیا که هاے
ملتا نهیں هے اس کا کهیں اب نشاں مجهے

یوں توڑنے مجهکو جان یکا یک بهلا دیا
تیری وفا په هاے نه تها یه گماں مجهے

کیونکر کروں جفا کی شکایت میں اس سےتی
کرتا هے وه وفا میں کبهو امتحاں مجهے

نوبت شورش سے آتی ہے بہار اب
خبر لے اپنی تو اے دل دوانے

جو کچھ سلوک کہ کرتا ہے اب گریباں سے
نہ تھا یہ ہاتھ مرا اس قدر کبھو گستاخ

جو بہار آئی جنوں کیا کھینچئے اب دل کی فکر
بے طرح مجھکو نظر آتی ہے دیوانے کی طرح

کون دے گا دیکھ اس منہ کو دل مجروں کی داد
لے چلیں جائے کہ محشر میں بھی اس کے خوں کی داد

کوہ و صحرا میں پڑے فریاد کر کر مر گئے
کچھ نہ دی اس چرخ نے فرہاد اور مجنوں کی داد

مہر و بے مہری تمہاری ہم سمجھتے ہیں سجن
جی میں جنگ اور منہ پہ یہ صلح نمایاں الامداد

ایک دن دریا نے دیکھا تھا مرے دریا کا جوش
روز و شب ہوتا ہے غیرت سے تہ و بالا ہنوز

گر پڑے نظروں سیتی فرہاد اور مجنوں کی شان
دن محبت میں اگر ہم اپنے غم کھانے کے عوض

جس طرح ہوتا ہے بے رونق چراغ ماہتاب
زرد رو مجلس میں خوباں کی نظر آتی ہے شمع

بجھ گیا تھا مرگ سے مجنوں کی الفت کا چراغ
داغ نے میرے کیا روشن محبت کا چراغ

متصل فریاد کو کب کرسکے ہے سر دراہ
کوہ ہو سکتا نہیں نالہاے نالاں کا حریف

نہیں کہتا کوئی سمجھا کے ہائے ان حواریوں سے
یہ کیونکر ہوتے ہیں گے دشمن اپنے مبتلاؤں کے

دام الفت کی رہائی خوش نہیں آتی مجھے
ایک دم تجھ سے جدائی خوش نہیں آتی مجھے

روز باراں کیوں نہ اے زاہد کہوں مے کو حلال
اس قدر بھی پارسائی خوش نہیں آتی مجھے

رہا ہے درمیاں ان کے تجھے دعویٰ جدائی کا
سجن واللہ بندے ہیں بتان خوش کہر تیرے

پسیجتا بھی نہ گرمی سے تری پتھر سا دل اُس کا
نہ کر سوز اس قدر اے آہ بس دیکھے ادر بیرے

وفا میرا اگر جور و جفا تجھکو نہ سکھلاتا
تو کیا آرام سے یہ زندگانی ہائے کٹ جاتی

یہ خسرو کوہکن سے سر چڑے کو کیونکہ ترساتا
اگر شیریں تک اک بھی امتحاں کو کام فرماتی

حزیں میں درد دل کا کس طرح ظاہر کروں تجھ سے
مجھے کہتا ہے تیری بات مجکو خوش نہیں آتی

راحت کو اپنے دل کی نہ پاؤں کا ایک دم
جب تک کہ میرے ساتھ یہ جانہ خراب ہے

مجھے کہتا ہے تیرا دل کہاں ہے
دغا مت سوچ میرا یہ گماں ہے

خزاں آتے ہی اب دیکھے گا آخر
نہ بلبل ہے نہ گل نے آشیاں ہے

خوش حالتی و فراخ حوصلگی زیست می کرد و بوسعت
حال می گذرانید - دیوانش بفقیر سیر کردہ و چشمے آب
دادہ حقا کہ دراں تلاش معنی تازہ کردہ و الفاظ رنگین
بروے کار آوردہ - احیاناً ریختہ هم می گفت ازاں جملہ است -

بہار آئی دوانے کی خبر لو   اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لو

حاتم

اسرار معنی را مافهم محمد حاتم 'حاتم' پر بخود
می چمید و سوہ مستعارہ راہ می رود - زاد بومش
شاہ جہاں آباد است و طبع صیرفیش نقد و قلب
سخن را نقاد —

نظر آتا تھا نکری سا گھا پر دیکھ شوخوں کو
نہ جانا میں کہ یہ قصاب کا رکھتا ہے دل گردا

گر عدو میری بدی کرتا ہے خاص و عام میں
میں اسے رسوا کروں گا باندھ کر دیواں کے بیچ

سجن نے یاد کر نامہ لکھا اور ہم رہے غافل
لکھا ہے معذرت لکھنا ہمیں کاغذ خطائی پر

ایک دن ہاتھ لگایا تھا ترے دامن کو
اب تلک سر ہے خجالت سے گریباں کے بیچ

خرد سالوں میں قیامت ہے اٹک جیوں شاخ گل
کیوں نہ جاوے جی کی آنکھوں میں کھٹک جیوں شاخ گل

ہات اس کا دستہ نازک ہے نہیں لاتا ہے تاب
توڑنے میں گل کے جاتا ہے لچک جیوں شاخ گل

فرض ہووے گی قضا او ہو شہیدوں سے ترے
تب کرے گی حشر میں رنگیں قیامت کا چمن

دیکھکر گلشن میں تجکو جان کر جاتا ہے سرو
یہ لٹک قد کی ترے ساری کہاں پاتا ہے سرو

کچھ نہیں اس کو رعایت سان معشوقی کی ہائے
اس قدر کیوں قمریوں کو سر پہ تہلاتا ہے سرو

کچھ محبت میں نہیں عاشق بچاروں کا گناہ
دل کی گردن پر ہے سب ان دکھ کے ماروں کا گناہ

---‡*‡---

حشمت

نکتہ سنج والا فطرت سید محتشم علی خان 'حشمت' مرد سپاہی پیشہ درست اندیشہ بود۔ گوہر اصلش از بدخشان است و لعل رنگین خیالش نہایت (ن*) رخشان' سخنش دل پسند است و فکرش بلند۔ بکمال

(ن*) نہایت –

حشمت

شهید معرکهٔ جرأت محمد علی حشمت سلحشور میدان سخن بود و تسخیر دلها و معنی دستگیر زبان می بود آخر در جدال و مناقشهٔ قطب الدین خان فوج دار مراد آباد با پسران علی محمد خان رهیله شربت شهادت چشید و جا در شهر خاموشان گردید —

جب آ جواں چمن میں ہوئی آشیانے گل
تب عندلیب رو کے پکاری کہ ہائے گل

خط نے ترا حسن سب اڑایا　　یہ سبزہ قدم کہاں سے آیا

— * —

حسن

میر محمد حسن 'حسن' گلہائے معانی از فکرت میرزا رفیع سودا دسته دسته در شاهجهان آباد چمن دلبیات سکونت دارد —

لگتا ہے آج مجھکو یہ سارا جہاں خراب
شاید کہ مر گیا ہے کوئی خانماں خراب

قاتل اگر کہے کہ سسکتا ہے چھوڑ دو
خنجر تو ایک دم کے لئے ملنے دے مروڑ دو

— * —

مثال بحر موجیں مارتا ہے — لیا ہے حسن نے اس دھج سے کنارا

آزاد کو بھلا ہے رہنا جہاں میں ننگا
ہیگا لباسوں میں حسن نے لباس رنگا

ٹال کیسی طرح چاہے تھا کہ بالا ہوے مجھے
مدعی آخر کو اپنے زور میں آپ ہی گرا

آب حیات جا کے کسو نے پیا تو کیا
مانند خضر جگ میں اکیلا جیا تو کیا

ہجر میں زندگی سے مرگ بھلی
کہ کہیں سب جہاں وصال ہوا

مبتلا آتشک میں ہوں اس میں
آگے آیا برے کیا میرا

لیا اس گلبدن کا ہم نے بوسہ
تو کیا چوما رقیبوں نے ہمارا

ان دنوں میں دیکھکر مجھکو اپھرے ہیں رقیب
پست ہے ان کا بھرا کل پرسوں مرتے ہیں رقیب

جامے سجن کا ملنا دن سکھ ہے عاشقوں کا
کاڑھے رقیب سارے مرتے ہیں ہاتھ ململ

مارا ہے سنگ دل نے دکھا مجھکو رنگ سرخ
تعویذ مجھ مزار کا لازم ہے سنگ سرخ

انداز وہی سمجھے مرے دل کی آہ کا
زخمی جو کوئی ہوا ہو کسو کی نگاہ کا

جیوں شمع روتے روتے ہی گزری تمام عمر
تو بھی نہ دور داغ دل اپنا نہ ہو سکا

دل اُس مژہ سے رکھیو نہ تو چشم راستی
اے بے خبر برا ہے یہ درقہ سناہ کا

سالار و گدا سے اپنے نفس کام کچھ نہیں
ہے تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا

مژگاں تر ہوں یا رگ تاک بریدہ ہوں
جو کچھ کہو سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

کھینچے ہے دور آپ کو میری فروتنی
اُفتادہ ہوں پہ سایۂ قد کشیدہ ہوں

ہر شام مثل شام ہوں میں تیرہ روزگار
ہر صبح مثل صبح گریباں دریدہ ہوں

یہ چاہتی ہے اب تپش دل کہ بعد مرگ
کُنج مزار میں بھی نہ میں آرمیدہ ہوں

اے درد جا چکا ہے مرا کام ضبط سے
میں غمزدہ تو قطرۂ اشک چکیدہ ہوں

نہ ملیے یار سے تو دل کو کب آرام ہوتا ہے
وگر ملیے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا

کبھو خوش بھی کیا ہے جی کسی رند شرابی کا
بھڑا دے منہ سے منہ ساقی ہمارا اور گلابی کا

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا — کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہو
دیکھیے غم سے اب کے جی میرا — نہ بچے گا بچے گا کیا ہو
قتل سے میرے وہ جو باز رہا — کسی بد خواہ نے کہا ہو
دل تو اے درد قطرۂ خوں تھا — آنسوؤں میں کہیں گرا ہو

اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

فلک پر کیوں کہتا ہے گزر آہ سحر کرنا
جہاں جی چاہے وہاں جا پر کسو دل میں اثر کرنا

عاشق بے دل ترا یہاں تک تو جی سے سیر تھا
زندگی کا اس کو جو دم تھا دم شمشیر تھا

حرص کرواتی ہے روبہ بازیاں سب ورنہ یہاں
اپنے اپنے بوریے پر جو گدا تھا شیر تھا

شیخ کعبے ہوکے پہنچا ہم کنشت دل میں ہو
درد منزل ایک تھی ٹک راہ کا ہی پھیر تھا

میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے
مری یاد تجھکو دلاتا رہے گا

جدا ہوکے اے درد مر تو چلا تو
کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہے گا

پھرتے تو ہو بنائے سخن اپنی جدھر تدھر
اک جاوے دیکھیو نہ کسی کی نظر کہیں

پوچھا میں درد سے کہ بتا تو سہی مجھے
اے خانماں خراب ترا بھی ہے گھر کہیں

کہتے اہل جہاں معنی فقیر کو
لازم ہے کیا کہ ایک ہی جا ہووے گھر کہیں

درویش ہر کہا کہ سب آمد سرائے اوست
ہووے سدا بہوں ہے یہ مصرع مجکو کہیں

منصف ہوں پھر معاف کیا مجکو فرماتے ہو تم
پاے بوسی ختم کروں یا دست بوسی ء سجدو

ٹال دیتا اس کو نت ہر طرح جیوں قبلہ نما
پھر مجھے ہر پھر کے آ رہتا اُسی کے روبرو

ربط ہے یار بتاں کو تو مری جان کے ساتھ
جی ہے وابستہ مرا اُن کی ہر اک آن کے ساتھ

گر مسیحا نفسی ہے یہی مطرب تو جدھر
جی ہی جاتے ہیں چلے بھری ہر اک تان کے ساتھ

جی کی جی میں رہی کچھ بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہووے پائی

دید وا دید تو ہوئی دور سے میری اُس کی
پر میں چاہا تھا جو وہ بات نہ ہووے پائی

اُٹھ چلے شیخ جو ہم مجلس رنداں سے شتاب
ہم سے کچھ خوب مدارات نہ ہووے پائی

رات مجلس میں ترے حسن کے شعلے کے حضور
شمع کے منہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا

محتسب سنگ جفا سے ترے مے خانے میں
کون سا دل تھا کہ شیشے کی طرح چور نہ تھا

باوجودے کہ پر و بال نہیں آدم کے
وہاں تو پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

یار نے درد سے ملنے کا برا کیوں مانا
اس کو کچھ اور سوا دید کے منظور نہ تھا

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک دم میں یہ کثرت نمائیاں
گر آئینے کے سامنے ہم آ کے ہو کریں

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جا ابھی
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

ہے اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدان شہر
اے درد آ کے بیعت دست سبو کریں

اُن نے کیا جو یاد مجھے بھول کر کہیں
پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں

آ جائے ایسے جینے سے اپنا تو جی بتنگ
جیتا رہے گا کب تلک اے خضر مر کہیں

مدت تلک جہاں میں ہنستے پھرا کیے
جی میں ہے خوب روئیے اب بیٹھ کر کہیں

مت موت کی غفلت اے درد ہر گھڑی کر
دنیا کو دیکھ تو بھی تو تو ابھی جواں ہے

کب ذرا دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے
جوں صدا نکلا ہی چاہے خانۂ زنجیر سے

درد اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے

فرسودگی ہے رشتۂ تسبیح کا حصول
دل میں کسو کے آہ کوئی راہ کیا کرے

دل دے چکا ہوں اس بت کافر کے ہاتھ میں
اب میرے حق میں دیکھیے اللہ کیا کرے

دل! ویسے ستمگار سے اظہار محبت
ایسا کہیں پھر دیکھیو زنہار نہ ہووے

دیکھ لوں گا میں اسے دیکھیے مرتے مرتے
یا نکل جائے گا ہی نالے کے کرتے کرتے

درد جیوں نقش قدم تھا سر راہ پر اس کے
مت کہا اوروں کے پاؤں تلے دھرتے دھرتے

اپنے بندوں پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو
یہ نہ آجائے کہیں جی میں کہ آزاد کرو

یا رب یہی کیا حرام وہ جن نے ایک آن میں
کہتے ہی مردے حشر سے آگے جلا دیے

نزع میں ہوں پہ وہی نالے کیے جاتا ہوں
مرتے مرتے بھی ترے غم کو لیے جاتا ہوں

جی میں مذکور جو تھی آپ کی خدمتگاری
سو تو اے وعدۂ حاجات نہ ہوئے پائی

اے نور نظر ترا تصور تھا پیش قدم جدھر گئے ہم

کوہ کن سے نہ بول اے پرویز
اُس کے تیشے کی یہاں زباں ہے تیز

ساقی اب سب پکارے ہیں گے
تیرے ہاتوں ستی پر پر پر پر

ہے غلط گر گماں میں کچھ ہے
تجھ سوا بھی جہاں میں کچھ ہے

دل نے تیرے تو رنگ سیکھا ہے
آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے

درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم
وہی رونا ہے نت وہی غم ہے

غنیمت ہے یہ دید وا دید یاراں
جہاں آنکھ مند گئی نہ میں ہوں نہ تو ہے

اے گل تو رخت باندھ اٹھاؤں میں آشیاں
گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے باغباں مجھے

آنکھوں کی راہ میری اب خون ہی رواں ہے
جو کچھ ہے دل میں میرے منہ پر مرے عیاں ہے

آہوں کی کشمکش دیکھو کہیں نہ ٹوٹے
تار نفس سے گویا وابستہ میری جاں ہے

عقل اور ہوش گیا دھکدھکے کے غمزے کی طرح
ایک دل اڑ کے رہا عشق کے میدان کے بیچ

یہ وہ آنکھیں تھیں جو دریا سے لیتی تھیں خراج
اب تو ہم بھی نہیں ان دیدۂ گریاں کے بیچ

سامنے ہوئے ہی پھر نقش نہ ناوک دل کی
مت کہا نوک سناں پر صف مژگاں کے بیچ

رحم دل ہووے نہ یا سوز نہ کر اُس کا علاج
درد میں جو کہ مرا ہے نہیں درماں کے بیچ

—— ‡ ‡ ——

دردمند

گلشن معنی را تخلص محمد فقیہ دردمند شمع ادراکش برکردۂ تجلی کدۂ میرزا مظہر است - دیوانے مردان فارسی جمع کردہ دران بلاس معنی رنگین و الفاظ درد آگین نمودہ داد سخن گستری دادہ از چندے رخت اقامت بہ بنگالہ کشیدہ صحبتش با ناظم انجا کوک گردیدہ در انجا بتوسع حال بسر می برد —

ہے غم سے رقیبوں کے مرا دل ناشاد
اُس کے دھڑکے سے جاتے ہیں عدس بنیاد

پرویز کے شیشہ جانۂ عشرت پر
سنگ آیا سخت و لیک آیا فرہاد

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

نے خانۂ خدا ہے نہ ہے یہ بتوں کا گھر
رہتا ہے کون اس دل خانہ خراب میں

درد اس جہاں کی دید کو مت نظر سمجھ
پھر دیکھنے کا نہیں تو اس عالم کو خواب سمجھ

جلوہ تو ہر اک طرح کا ہر شان میں دیکھا
جو کچھ کہ سنا تجھ میں سو انسان میں دیکھا

داؤد

مرزا داؤد از سوختہ بادگان عزلت است —

زلف دلبر سے مجھکو سودا ہے خلق کہتی ہے مجھکو سودائی

درد

کرم اللہ خان درد ہمشیرہ زادۂ امیر خان انجام است

سخنش خالی از چاشنیٔ درد نیست —

عشق کی آگ لگی ہے مری اب جان کے بیچ
شمع سا جل کے بجھوں گا ادھی ایک آن کے بیچ

میں دوانا ہوں ترا مجھکو نہ مار اے ظالم
قتل مجنوں کا بڑا ہے کہوں قرآن کے بیچ

وطبعی رسا و وارستہ مشربی بسر می برد و شعر را بطور
خود درست می گوید :—

دل میں ہر ایک کے سودا ہے خریداری کا
یوسف مصر مگر تو ہی ہے اے یار عزیز

نہ جانے خون کو کس زور میرے اُس کو فاقہ ہے
رگ گردن سے میری اُس کے خنجر کو علاقہ ہے

——) * (——

حرف الذال

ذہین

میر محمد مستعد ذہین از دوستان مولف بود ۔ در
عین شباب جوانی بساط از عالم حادث چید و بجہان
قدیم مائل گردید ۔

ہمارے دل کو مت آزار دے اے باغباں نا حق
جلا مت آتش گل سے ہمارا آشیاں نا حق

ہائے کیا کیجئے جو پہنچے نہیں
کان تک اُس کے ہماری فریاد

ہو اگر کچھ یار کے تشریف فرمانے میں دیر
تو کریں کا ہے کو اس دنیا سے ہم جانے میں دیر

کہسار میں جا کرا ہے ناحق کے تئیں
پرویز سے جا بھڑا ہے ناحق کے تئیں

کوئی ٹکر پہاڑ سے لیتا ہے
فرہاد کا سر پھرا ہے ناحق کے تئیں

ایں چند بیت از ساقی نامۂ اوست —

پڑی اس کی خوبی کی از بسکہ دھوم
لیا ہاتھ قدرت کا صانع نے چوم

ارے ساقی اے جان وصل بہار — یہی تھا ہمارا و تیرا قرار
ہمارے تیرے بیچ یہ وصل تھی — فراموش کرنے کی یہ وصل تھی

تری جان کی سوں غنیمت ہوں میں
سلیقوں میں ظالم قیامت ہوں میں

مرا عقل میں کون انبار ہے — ارسطو مرا اک دوا ساز ہے
فلک چرخ مارے گا کر صد ہزار — نہ لاوے گا مجھ سا کوئی روزگار
نظر تو کرو ٹک چمن کی طرف — شگوفے کو آتا ہے مستی سے کف

چمن میں بھرا ہے نشا یہاں تلک
کہ نرگس کی جاتی ہے گردن ڈھلک

دانا

فضل علی دانا شاگرد مضمون است گویند نہ آزاد

وصل میں بے خود رہے اور ہجر میں بیتاب ہے
اس دوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھائیے

ہر گلی کوچہ پڑے ہیں مست ہو دیوار و در
ابر رحمت ہے برستا یا برستی ہے شراب

آرام تو کہاں کہ تک اک سو کے چین رہو
آنسو بھی نہیں رہے کہ بھلا روکے چپ رہو

حرف الزا

زکی

محمد علی خان زکی از عمدۂ منصب داران سرکار والا است و خدمت عاریت دکان بکمال رعنائی و میرزائی زیست می کرد غالباً از فرط پریشانی ناسفتگی فہم می برد باقتضای موزونی طبیعت شعر بزبان ریختہ هم می گوید —

عشق میں صبر و قناعت گرچہ کچھ مشکل نہیں
ایک اُن کو ہے کہ جن کو دل ہے میرے دل نہیں

آ کہ گل و بلبل بہار آئی ہے تک دل کھول لو
چار دن صحبت غنیمت جان کر ہنس بول لو

حقوں کی اُن کے سامنے کچھ نہیں تدبیر کر سکتا
چھٹے پھرتے نہ دیوانے جو وہ زنجیر کر سکتا

کروں میں کیوں کہ اُس کے روبرو شکوہ جفاؤں کا
حیا آتی ہے مجھکو میں نہیں تقریر کر سکتا

باتیں ہماری راست اُنھوں نے نہ جانیاں
کیا کیا بتوں کے حق میں بھی ہیں بدگمانیاں

تھے دل دعا کی راہ سے وہ لطف وہ کرم
کیدھر گئیں بتاں کی ویسی مہربانیاں



حرف الوا

رسوا

رسوا هندو پسر جدید الایمان بود آخر از فرط جنوں ورق عقل و خرد گرداند و سواد سودا بہم رسانید چوں کارش برسوائی کشید دل بر ترک هستی زده در عین علفوان جوانی بحلقهٔ زنجیر مرگ گرفتار شد ازوست —

قفس سے واں گئے ہم اور چمن میں جائے نہیں
اُڑیں تو پر نہیں رکھتے چلیں تو پائے نہیں

حرف السین

سودا

نکتہ داں نے لکھا مرزا محمد رفیع سودا مردے است سپاہی پیشہ و درست اندیشہ حقا کہ رتبۂ سخنش عالی است و سخن فہم درد مند داند اش حالی۔ امروز در میدان گفتگو گوے سبقت از اقران و امثال خود می رباید و داد معنی یابی و رنگیں خیالی می دہد —

مقدور نہیں اُس کی تجلی کے بیاں کا
جوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا

پردے کو تعین کے در دل سے اُٹھا دے
کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا

'سودا' جو کبھی گوش سے ہمت کے سنے تو
مضموں یہی ہے جرس دل کی فغاں کا

ہستی سے عدم تک نفس چند کی ہے راہ
دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا

بے کس کوئی مرے تو جلے اس پہ دل مرا
گویا ہے وہ چراغ غریبوں کی گور کا

آہ کس طرح تری راہ میں گھبروں کہ کوئی
سد رہ ہو نہ سکے عمر چلی جاتی کا

مصر سے یوسف چلا کنعے کو اے کنعاں فیر
دم میں کیا قدرت نہیں اتنی کہ اس کو مول لو

در مثنوی خود در منقبت حضرت شاہ ولایت گفتہ است

قضا کے راج کی صنعت گری دیکھو	نبی کے آل کی نارہ دری دیکھو
نبی کی آل اوپر وار جانا	اسی نارہ پلے سے پار جانا

دملے جانفذ دل کو اے اناڑی عشق کی پھیر میں
کبھوی جیتے پھرے دیکھا ہے وہاں کے جان ہاروں کو

سجن کے دیس کہا پہنچوں ہے بے ہوشی نہایت کو
دے آیا ڈول کر قاصد کتا مت جا نہایت کو

اے مدبر حقیقت تک سیر کر لازم
اس اوپر حکمت میں کوئی نسخہ نہیں ہے

سن کر احوال مرا ناصح مشفق نے رکی
ہات سے ہات ملا درد سے سینا کوٹا

بعضے گویند آیں شعر از ولی دکنی است —

بعد مرگ کوہکن شیریں اگر جیتی رہی
دیکھ کر یہ حوے شیر اپنا لہو پیتی رہی

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو
تا قیامت سوزن تدبیر اگر سیتی رہی

خاکساری نہ کر موذی کے ہرگز اعتبار
جونکا ماٹی میں ملی تو وہی لہو پیتی رہی

— ❋ —

یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا گاہے پیام
کچھ بھی اے جانِ خراب اس دل کے سمجھانے کی طرح

عقل نے ایک دن آکر یہ کہا سودا سے
خواہ نزدیک ہمارے رہو خواہ ہم سے دور

لیکن اتنا ہے کہ وہ کام نہ کر تو پیارے
حسن کا ثمرا رکھے تجھکو دل عالم سے دور

انکار قتل سے تو کرے ہے سخن ہنوز
میلا نہیں ہوا ہے ہمارا کفن ہنوز

کس کے ہوں زیر زمیں دیدۂ نمناک ہنوز
جا بجا سوت ہے پانی کی تہہ خاک ہنوز

سودا کا ہوئے حال نہ دیکھا کہ کیا ہوا
آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز

اے لالہ گر فلک نے دیے تجھکو چار داغ
چھاتی مری سراہ کہ اک دل ہزار داغ

کون کہتا ہے مت اوروں سے ملا کر مجھ سے مل
جس کے ملنے میں خوشی تیری ہو مل پر مجھ سے مل

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
درہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام

تسلی اس دوانے کی نہ ہو حولی کے پتھروں سے
اگر سودا کو چھیڑا ہے تو لڑکو مول لو پتھریاں

ظاہر میں دیکھنے کا کچھ اسباب ہی نہیں
آوے مگر تو خواب میں سو خواب ہی نہیں

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

پھرے ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منہ موڑا
الٰہی ان نے اب داڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا

جو گزری ہم پہ مت اس سے کہو ہوا سو ہوا
بلا کشان محبت پہ جو ہوا سو ہوا

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

میں دشمن جاں ڈھونڈ کے اپنا جو نکالا
سو حضرت دل سلمہ اللہ تعالیٰ

مجھ تیغ تلے کہیو رستم سے کہ سر دھر دے
پیارے یہ ہمیں سے ہو ہر کارے و ہر مردے

جسے کہ زلف سیہ نے تری ڈسا ہوگا
غرض وہ مر ہی گیا ہوگا کیا جیا ہوگا

کسی دیں دار و کافر کو خیال اتنا نہیں آتا
سحر کیا ہو چکا سودا کہ جی پر شام کیا ہوگا

سودا سے یہ کہا میں دل اس طرح سے کھونا
کہنے لگا کہ ناداں کیا پوچھتا ہے ہونا

کہوں اسیری پر میری صیاد کو تھا اضطراب
کیا قفس آباد ہو گئے کون سے گلشن خراب

نہ کھینچ اے سادہ اُن زلفوں کو یہاں سودا کا دل اٹکا
اسیر ناتواں ہے یوں نہ دے زنجیر کو جھٹکا

قفس میں رات سن کر ہر کسی کے پاؤں کی آہٹ
اُٹھایا سر کو بالیں سے تو پھر دیوار سے پٹکا

پڑے نہ برق خار آشیاں میرے سے کہتا ہوں
اُڑے گا دھجیاں ہو کر ترا دامن جو یہاں اٹکا

نہ تھی رخصت ہمیں صیاد نے تک سیر گلشن کی
بہت اے بلبلو کانچ قفس میں ہم نے سر پٹکا

کر قطع ہاتھ پہلے تب فکر کر رفو کا
ناصح جو یہ گریباں تو نے سیا تو پھر کیا

اس وقت میں جو مجھ تک پہنچو تو واہ وا ہے
گر قصد بعد میرے تم نے کیا تو پھر کیا

سودا یہ کیا کرے گا تب اس طرح کا رونا
عالم کو اے دوانے مت ساتھ لے ڈبونا

جس طرح چاہتا ہے دنیا میں زندگی کر
لیکن تو یاد رکھیو عاشق کبھو نہ ہونا

ہر مژہ پر ہے تری لخت اس دل رنجور کا
خون ہے سودا اُپر ذات مرے منصور کا

پونچھتے ہی پونچھتے گزرے ہے مجکو روز و شب
چشم ہے یا رب مری یا مدہ ہے یہ ناسور کا

کیا کروں گا لے کے واعظ ہاتھ سے حوروں کے جام
ہوں میں ساغر کش کسی کی نرگس مخمور کا

کب عشق کی چوٹ یہ چھپتی ہے مجنوں
ناقے کے پاؤں اوپر تڑپے ہے دل جرس کا

گلہ لکھوں میں اگر تیری بے وفائی کا
لہو میں غرق سفینہ ہو آشنائی کا

زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کی
کہ جن نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

جو کہ ہے ظالم وہ ہرگز پھولتا پھلتا نہیں
سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کبھو شمشیر کا

ترز کے دست حالے کو مستعد دعا کی تونے سیکھ
برہمن کے دل کا بھی کچھ فکر ہے تعمیر کا

جو یہ منظور ہے تم کو مرا دل لے کے جی لینا
کیا اک مجھ سا دانا سے ترے سر صدقے کیا ہوگا

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا
پہنچے کب اُس کو ہاتھ ہمارے غبار کا

موج نسیم آج ہے آلودہ گرد سے
دل خاک ہوگیا ہے کسی بے قرار کا

آوارہ ہے اتنا کہ میں جاتا ہوں جب اُس پاس
رہتا ہے یہی سوچ کہ گھر ہووے گا یا رب

دوزخ مجھے قبول ہے اے منکر و نکیر
لیکن نہیں دماغ سوال و جواب کا

ترے خط آنے سے دل کو مرے آرام کیا ہوگا
خدا جانے کہ اس آغاز کا انجام کیا ہوگا

ہمیں گو نالۂ گلگیر نفس کہتے تو آتا ہے
چمن کے زمزمے کرتے گرفتاروں سے مت پوچھو

ترا دل مجھ سے نہیں ملتا مرا دل رہ نہیں سکتا
غرض ایسی مصیبت ہے کہ کچھ میں کہہ نہیں سکتا

عشرت سے دو جہاں کے یہ دل ہاتھ دھو سکے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے

مر جائیے کسی سے پہ الفت نہ کیجیے
جی دیجیے جو دیکھیے پر دل نہ دیجیے

ملائم ہوگئیں دل پر برہ کی ساعتیں کڑیاں
پھر کٹنے لگی اُن بن رکت تیں دس بنا گھڑیاں

ہنوز آئینہ گرد اس غم سے اپنے منہ کو ملتا ہے
نہیں معلوم کیا کیا صورتیں اس خاک میں گڑیاں

اب تلک اشک کا طوفاں نہ ہوا تھا سو ہوا
تجھ سے یہ دیدۂ گریاں نہ ہوا تھا سو ہوا

جن نے دیکھا ترے منہ کو کہا سبحان اللہ
قدرت حق سے نمایاں نہ ہوا تھا سو ہوا

خط کی خوبی ترے عارض پہ یہ کہتی ہے کہ مور
رونق ملک سلیماں نہ ہوا تھا سو ہوا

قابل شانہ تری زلف ہوئی جس دن سے
مجھ جو دل کہ پریشاں نہ ہوا تھا سو ہوا

اہل مژگاں کے تصدق سے ترے اے سودا
سبز و خرم جو بیاباں نہ ہوا تھا سو ہوا

اس قدر دلت الخذمت سے دل ہے سودا کا بھرا
رحم لے دل کے نہ دیکھا مٹھہ کبھو انگور کا

کس کس طرح سے دیکھیں اس باغ کی فضائیں
کدھر گئے ہیں ساقی وہ ابر وے ہوائیں

حسرت سے آئنے کا دل کیوں نہ ہوے پانی
شانہ حضور اُس کے زلفوں کی لے بلائیں

باتیں کدھر گئیں وہ تری بھولی بھالیاں
دل لے کے بولتا ہے جو اب تو یہ بولیاں

ہر بات ہے لطیفہ و ہر یک سخن ہے رمز
ہر آن ہے کنایہ و ہر دم ٹھٹھولیاں

کچھوں بھی ہے آنکھوں کی کاوش سے دل کو چین
مژگاں نہ کر سکیں تو نگاہیں چبھولیاں

کیا چاہیے تجھے سر انگشت پر حنا
حسن بے گناہ کے خوں میں جا ہیں تر بولیاں

اندام گل پہ ہو نہ قبا اس مرے سے تنگ
جوں جوش چھینوں کے تن پہ نہ سکتی ہیں چولیاں

سودا کے دل سے صاف نہ رہتی تھی زلف یار
ڈالے ہے بیچ پر کے گرہ اس کی کھولیاں

جواہ کعبے میں تجھے جواہ ہوں اب جانے میں
اتنا سمجھوں ہوں مرے یار کہیں دیکھا ہے

نہ استفسار کیجے ہم سے اس لب کی حلاوت کی
شکر کا ذائقہ خون جگر خواروں سے مت پوچھو

سمجھ کے رکھیو قدم دشت خار پر مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

پھرتی نہ نکلو آہ میرے حال کی خبر
قاصد گیا تو ان نے بھی اپنی ہی کچھ کہی

عبث نالاں ہے اس گلشن میں تو اے بلبل ناداں
نہیں یہاں رسم نہ کوئی کسی کی داد کو پہنچے

طریق عشق میں مجھ سا تھا جو معاذل ہو
سوائے خاک نہ سر پہ کوئی بسر آوے

قاتل ہماری نعش کو تشہیر ہے ضرور
آئندہ تا کوئی نہ کسو سے وفا کرے

اتنا لکھائیو مری لوح مزار پر
یہاں تک نہ دے خیال کہ کوئی جفا کرے

فکر معاش و عشق بتاں یاد رفتگاں
اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے

گر ہو شراب و خلوت و محبوب خوب رو
زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

کبھو اثر قبول کہ تجھ تک ہماری آہ
سینے سے ارمغاں لیے لخت جگر گئی

مت پوچھ یہ کہ رات کٹی کیوں کہ مجھ بغیر
اس گفتگو سے فائدہ پیارے گزر گئی

سودا لکھا نہ اں کو یہ خط اس کے یار نے
جس وقت اُس کے حال کی اُس کو خبر گئی

سودا نہ کہتے تھے کہ کسو کو تو دل نہ دے
رسوا ہوا پھرے ہے تو اب در بدر، کہ ہم

مجھکو یہی ہے دل میں ترے راہ کیا کروں
پر بے اثر ہے عشق مرا آہ کیا کروں

تجھے مکتوب لکھ سودا نے مرغ روح کو سونپا
نہ کھینچا انتظار اتنا بھی تا پیدا کبوتر ہو

جو مہرباں ہے سو سودا کو مغتنم جانے
سدا ہی راہوں سے ملتا ہے دیکھیے کیا ہو

مہر پہ بس ہے کرم ہم پہ ستم واہ واہ
دیکھ ادا بس تمہیں ہم نے صنم واہ واہ

ہے زلف میں مرا دل مت کھینچیو تو شانہ
زنجیر نہ کھل جاوے ہے سخت یہ دیوانہ

نیم جاں ہیں یہ تری چشم کے بیمار کئی
مر گئے جلد تر مژگاں کے گرفتار کئی

کوئی سسکتا ہے کوئی تڑپے ہے بے حس ہے
آج دیکھے ترے کوچے کے گرفتار کئی

تیرے بازار میں اب کیوں کہ نہ بگڑے سودا
ایک یوسف نظر آتا ہے خریدار کئی

سودا جہاں میں آ کے کوئی کچھ نہ لے گیا
جاتا ہوں ایک میں دل پر آرزو لیے

ترا غرور مرا عجز تا کجا ظالم
ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے

ظالم غرور گل کا گریباں ہوا ہے چاک
اک عندلیب کو اجل آئی سی مر گئی

پروانہ کوں سا نہ جلا شام کو کہ شمع
روتے ہوئے نہ ارم سے وقت سحر گئی

یہ گفتگو تو قطع نظر اس سے مجھکو کیا
مجھ سے جفائے ہجر کی طاقت اگر گئی

شکوہ تو کیوں کرے ہے مرے اشک سرخ کا
تیری کب آستیں مرے لوہو سے بھر گئی

عجب بیداد حسرت پر مری صیاد کرتا ہے
دکھاتا ہے اُسے مجھکو جسے آزاد کرتا ہے

منہ لگاوے کون مجھکو گر نہ پوچھے تو مجھے
عکس بھی دیتا نہیں اب آئینے میں رو مجھے

ناتوانی بھی عجب کچھ ہے کہ گلشن میں نسیم
مت لیے پھرتی ہے دوش اوپر برنگ بو مجھے

کیا ضد ہے مرے ساتھ خدا جانے وگرنہ
کافی ہے تسلی کو مری ایک نظر بھی

کہہ اور قسم ہے تجھے رونے کی ہمارے
تجھ چشم سے ٹپکا ہے کبھی لخت جگر بھی

کس ہستیٔ موہوم پہ نازاں ہے تو اے یار
کچھ اپنی سمت و روز کی ہے مجھکو خبر بھی

سن اے فغاں جہاں میں عاشق جو ہوگیا
مجنوں سے اسی روش اس کی گزر گئی

شیریں نے جور کب نہ کیا کوہکن کے سر
مجنوں پہ کیا جفا تھی جو لیلیٰ نہ کر گئی

گل ہی پڑی سسکتی تھی بلبل چمن کے بیچ
ذرہ نہ اُس کے حال پہ گل کی نظر گئی

پروانے رات شمع سے اپنے جلے کہ بس
خاکستر اُن کی لے کے صبا دوش پر گئی

میں تازہ کچھ کیا ہے کہ بدنامی کو مری
تیری صدائے آہ و فغاں گھر نہ گھر گئی

حرمت رکھی نہ رعد کی فریاد نے تری
رونے سے تیرے آبروئے ابر اُتر گئی

اوہو سے تیرے سر کے ہے دیوار گھر کی سرخ
آنکھوں سے موج خوں کی نہروں در گئی

القصہ خط کو پڑھکے فغاں نے لکھا جواب
تیرے ہی دل کی چاہ نہ جانوں کدھر گئی

شیریں کی بات میں نہ کہوں ورنہ بارہا
لیلیٰ جدھر تھی وادی مجنوں اُدھر گئی

یہاں تک تو گفت میں لیلیٰ کی مجنوں سما گیا
اُن کی اس اتحاد سے باہم بسر گئی

جاری ہوا ہے خوں رگ مجنوں سے وقت فصد
لیلیٰ کی پوست سال اگر نیشتر گئی

کیوں مشت گل بھی دل کے نہ رونے میں رہ گئی
صیاد مجھکو چشم سے باقی ہے یہ گلا

کافر بتوں سے داد نہ چاہو کہ یہاں کوئی
سر جائے ستم سے اُن کے تو کہتے ہیں حق ہوا

گر بھید گل کے آئے پہ کھوئے نہیں حواس
صیاد کیوں پھرے ہے سجن آج دق ہوا

یعقوب کے جب عشق پڑا سر پہ ٹوٹ کر
آنکھوں لے اُس کی رو دیا آخر کو پھوٹ کر

تجھکو اے صیاد غیر از جانور بیداد کے
اور بھی کچھ طالبوں کی دوستی نے پھل دیا

عشق میں جائے گا کہیں مارا   بے طرح دل ہوا ہے آوارا

دل میں جو خطرہ نہ لا ہرگز طبیب   دیکھ کر میرے مرض کو لا دوا

خط نکلوا کے آج قینچی سے   ہم سے ملنے میں جائے ہے کترا

تیری شمشیر سے جدا ہو کر   سر مرا مجھکو تن نہیں دیتا

مرا دیکھ کر حال داماں کا   پھٹے کیوں نہ سینہ گریباں کا

قاتل کی تیغ آگے جاتے ہیں ہم بدھڑ کے
ہرگز ہمارے دل میں سر کا نہیں ہے دھڑکا

شتابی پلا لے کہ جانا ہے ابر   جو کچھ باقی ساقی رہی ہو شراب

پند میں مت رہ دوانے عقل کے   کر گریباں چاک چھاتی کھول کر

جتنے چمن کے بیچ بتھائے ہیں نونہال
تعظیم تیری کرتے ہیں سب اُٹھ کے سرو قد

سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
آئی ہے سحر ہونے کو ٹک تو کہیں مر بھی

—— * ——

سعدی

سعدی دکنی از شعرای قرار دادۂ دکن است
و آنکہ بعض اعزہ را بسبب اتحاد تخلص مغالطہ افتادہ
ریختہ‌ہای سعدی دکنی را از عدم اعتنا و قلت تتبع
بنام سعدی شیرازی مرحوم منسوب ساختہ اند ناشی از جہل
و تسفہ است و من ادعی فعلیہ البیان —

ہمنا تم کو دل دیا تم نے لیا اور دکھ دیا
تم یہ کیا ہم وہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے

—— * ——

سجاد

والا فطرت بالغ استعداد میر سجاد در مبادی
یا در تذکرہ اش ملقب است و پایہ اش ارجمند - ہرچند
از تربیت یافتگان میان آبرو است لیکن سخنش در
چشم منصفان حق بین بہتر از او است —

ساقی بغیر جام کے جی کا بچاؤ نہیں
دھوں دیکھ مست آوے ہے ابر سیہ چلا

کچھ نہ سمجھاں کے جی پر ہی عجب حالت ہے
ورنہ دیکھے ہیں میں اس درد کے بیمار کئی

سوچنے سے لدیں نو مت لے سبیح   چشم سوجے سے کہا اُپرتی ہے

اے صنم زنار پہلی سمجھ وفا کے واسطے
ورنہ کوئی کافر نہی ہوتا ہے خدا کے واسطے

ماہ رو ہیں یہ سمع محفل میں
جب سے روشن ہے سب پہ روشن ہے

سپر داری اس کی کسی سے نہ ہو
وہ ابرو نری ننگی شمشیر ہے

ہر گز آیے نہ دیں گے عمروں کو
جان ہر چند ہم گئے ہوں کے

میووں میں حسن کے اب سب کے سری یہی ہے
جوبن کے باغ کا ہے گویا ترنج یہ پھل سا

بہار آئی سبھی غنچے ہیں خواہاں آج تو دل کے
شتابی سے نہ دیکھیو ململ ازاں اُس کو تک سستا

تجھے لائق نہیں گل توڑ کر کے ہاتھ میں رکھنا
تری یہ انگلیاں مہندی لگی پھولوں کا ہے دستا

وہی خانہ خراب اس دکھ کو جانے
کہ حسن کا عاشقی کے بیچ گھر جائے

سجن منت کروں ہوں مان جا تو
ہنسا مت کر رقیبوں ساتھ ہا ہا

ہوتی نہیں ہے سرد ہماری یہ دل کی آگ
لاگی ہے جس زمانے سے جلتی ہے دھر دھر

دور میں رخسار کے تیرے نہیں انصاف کہیں
خط چرا لے جائے دل کو اور باندھی جائے زلف

حسن خوبرو کے دل میں نہ عاشق سے ہو نفاق
کہتے ہیں سارے اُس کے تئیں حسن اتفاق

دل کو کبھی نہ پیار دلا کر دو اے سجن
لاگا نہیں گلے سے مرے آکے آج لگ

جب تک ترے بدن کو نہ عاشق گلے لگائے
لگتا نہیں ہے تب تلک ہرگز کچھ اُس کے انگ

زلفوں کے جب اُلجھتے ہیں اُس ساتھ آکے بال
دیتا ہے شانہ عاجزی سے دانت تب نکال

ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لے جاوے اُسے
خواہ زلفیں خواہ ابرو خواہ مژگاں خواہ چشم

تا خدائی تک ایک کر ساقی ... ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں

تیغ ابرو کے تلے دھر جائے سر ... جان اتنا کوئی جی رکھتا نہیں

سرمندہ ہو گئی ہے وہی منہ سے آرسی
اب پھر کے روبرو ترے وہ ہو کر آتی نہ

یار کا جامہ ہمیں ہے گا عزیز ... پر سمٹا اپنا پیرہن تہ کر رکھے

تمہیں غیر سے صحبت اب آتی ... اُسے دوستی ہم سے ہے دشمنی

بتوں کے تئیں کس قدر مانتا ہے ... یہ کافر مرا دل خدا جانتا ہے

دوانے کو نہیں خلقت سے کچھ کام
وہ جنگل میں پھرے ہے بے سر و پا

ہر اک طرف کو اسے یوسف کا ہو کے جویا
یعقوب مجھ برابر کہیں خواب میں نہ رویا

عشق میں جی نکل نہیں سکتا
پر نہیں کوئی نکال سکتا

کیا کرے پاؤں بھی کہ جنگل میں
کچھ نہیں آبلوں سے چل سکتا

جو لگے تم کو بھلا جان وہی بہتر ہے
دل دیا تم نے کہا ہم سے بہت خوب کیا

کیا دل سخت پر الفت کہاں جائے
بجھے شعلے میں پتھر کے شرر کب

جام میں منہ سے لگایا تجھ بغیر
آ رہا ہے جان میرا جاں بلب

خاک سے دل چشم نرگس ہو اگا
اب تئیں بھی دیکھنے کی ہے طلب

عبث نہیں ہے دریا کا یہ اضطراب
ترے زلف کو دیکھ ہوتا ہے آب

تنہا نہ ایک چاند ہے گردش میں تجھ حضور
کرتا ہے آفتاب بھی تجھ آگے دوڑ دھوپ

مژگاں کی صف میں چھپ کے نگہ یوں کرے ہے چوٹ
صیاد جیوں شکار کی ٹٹی کے بیٹھے اوٹ

کوئی خدا کے عاشق کو سمجھائے گا
کہ عاشق کا جی کھو کے کیا پائے گا

کہا دل نے اتنا تو جوبن کے تئیں
یہ دیکھو کہ اپنا کیا پائے گا

انگیا کی طرح وہ تجھ منہ پر آئے
ہو کلیجا حسن کا لوٹے سار کا

حسن طرح کی باس کا ہے تو پتا
کوئی گل ایسا نہیں جوش جو پیا

اشرفی پوسے سے نہیں رکھتا ہے کام
جو کوئی پاتا ہے تیرا رو پیا

ایک ایک دل کر کے لے جاں کے دیے کے بوسا
لڑکوں کے ہاتھ زاہد ڈاڑھی رہا ہے کھو سا

غم یہ سنگیں دلوں کا ہے بھاری نہیں جاتا کسی طرح ٹالا

لبریز ہو کے سینے سے اُبلی پڑتے ہے مے
کون اس کے اسطیاں میں ہے جاں بلب ہوا

دنوں کی بھی یہ یاد دو رور ہے ہمیشہ رہے نام اللہ کا

رفتار کا تمہاری نہیں شور جگ میں اب کا
جا کوہ میں چھپا ہے خجلت سے کبک کب کا

ہم اسیروں کے دل پہ پھندوں کا
تیری زلفوں نے مار باندھ دیا

مجلس شراب کی نہیں ہوتی ہے آج گرم
گزرا ہے مے کدے میں کوئی شیخ شوم سا

آسماں ایک رقعہ وار نہیں   غم کے لکھنے کو ہو ذرا کاغذ

مر گئے پر اگر نہیں آسیب   کیوں دہ رکھتے ہیں قبر پر تعویذ

چرخ کبود ہے یہ ہرگز نہ پوچھیو تم
دل سوختوں کی دادھا ہے دود دل نے گنبد

دشمن سبھی طرح سنتی ہیں دین و دل کے یہ
کافر بتوں کا حق میں نہ ڈالے خدا پیار

تو اُٹھ گیا ہے جب سے آغوش سے سجن
دیکھا ہے جب سے دل ہوا مرا منہ سے لے کنار

کوہکن کیوں نہ سر کو پھوڑ مرے   لی ہے جا کس پہاڑ سے ٹکر

ہلال آسماں سے ابھری میں   ذرا ادک ایک نو ہے بس برابر

بت پرستی و مے کشی سے دل   کب تو توبہ کرے ہے توبہ کر

آتی ہے دیکھو ہر طرف بار بار   صبا کیا آزادی ہے گل کی بہار

رلاتا ہے اسرور دردا ہمیں   کسی کا نہیں آج کل اعتبار

باد صبا سے زلف معطر کی ہم بلک
مدت ہوئی کہ پہنچی نہیں کچھ خبر عطار

نہیں ہم سے ہو نا ہم آغوش بھی
محبت کے رکھنا ہے بوس و کنار

لخت جگر ہمارا پانوں کے ساتھ کھا کر
کہتے ہو ہم سے باتیں یہ دم چبا چبا کر

ہجر کی راتیں بھی آخر کٹ گئیں
ایک سے رہتے نہیں ہیں دن ہمیش

داڑی ہمیشہ دینے کے رکھے ہیں داؤ میں
زاہد جو بیٹھتے ہیں یہ جاڑوں میں مار گوٹ

سجاد تیر کھانے کو ابرو و کماں کے
رکھتی ہے میرے دل کو نشانے کے سات چوٹ

جیتے جی ہرگز اُس سے اُٹھاتا نہیں ہوں ہات
تیری بھواں کی تیغ ہے ظالم یہ سر کے ساتھ

چپ رہ گئے ہیں دیکھ کے سب تجھ دہن کے تئیں
آتی نہیں ہے کہنے میں کچھ تجھ لبوں کی بات

جوش وحشیوں سے کیوں نہ کرے ہاتھ پاؤں گم
سجاد اُس کے پاؤں لگیں جس کسی کے ہات

مہندی کی مچھلیوں کی طرح غرق خوں ہے دل
تجھ ہاتھ بیچ دیکھ کے اس شست کی نشست

میرے ضعیف سینے پہ یوں ڈھونڈتا ہے ہات
جیسے کہ ناتواں پہ زبردست کی نشست

یوں گھر گیا جو زلف میں کیا جانتا تھا دل
عاشق کو سر اُٹھاتے ہی پڑ جائے گا یہ پیچ

حلقے سے صدق دل کے سبب بچ گیا خلیل
وہ بات ہے کہ سانچ کو ہرگز نہیں ہے آنچ

دوری درد ہجر کا اور وصل میں جفا
اس عاشقی کے پنتھ میں مشکل ہے ہر طرح

غیروں کو جان خواب میں غفلت کے ڈال کر
اک رات آ کے سو رہو ہم پاس آنکھ موند

بھنور میں تیری زلف کے دل مرا
سدا فکر میں تو رہے کے ہے غرق

سکوروں میں جلتے ہوں جیسے چراغ
یہ آنکھوں میں اس طرح جلتے ہیں اشک

سدا ٹوک لیتے تھے ہم پیار سے
لگی کس کی اس ٹوک لینے کی ٹوک

نظر میں جس گھڑی اُس گل پہ ڈالی
نہیں آرام تب سے شاخ کو کل

کہیں جو ہم یہ کہا جا شور محشر
قیامت شور پر ہے یہ میرا دل

نہ دیکھا دل نے اُس کو خواب میں بھی
عجب کس نیند تو سوتا ہے غافل

ہوتے نہیں جو شمع تری انجمن میں ہم
جلتے ہیں سوچ سوچ کے اپنے ہی من میں ہم

'سجاد' فکر میں نہ کروں کیوں کہ شعر کا
لگتے ہوں جاکے یار کے منھ سے سخن میں ہم

رو دیا ذرب یار نے 'سجاد'   جب مری آنکھ سے ملائی آنکھ

جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں   سب مرے در کنار ہوتے ہیں

تیر تو ہے کسی نشانے پر   میرے سینے کے پار ہوتے ہیں

اب تو ہم نے کیا گریباں چاک   تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

اور ہی طرح کا سخت وہ کافر ہے سنگ دل
تو مثل اُس صنم کے نہ ہر دست کے نگیں تراش

دوستی میں کسے یہ بوجھ نہ دی
جو دلوں پر نہ ہووے بار اخلاص

ایسا دشمن جو ہو کوئی جلاد
وہ کس سے کرے پیار اخلاص

چھوڑتے قصد اس دوانے کی
چھوٹ صیاد کی نہ جاوے نبض

نہ جلانا دل اپنے کا آوے ہے یاد
جہاں جلتے دیکھوں ہوں مجلس میں شمع

کب گریباں چاک پر تنگی کرے
ہے جنوں کے دشت کا دامن وسیع

جان آ روئے کے سبب دل بجھ گیا
سینہ میں جلتا رہے کیوں کر چراغ

پھول لالے کے نہیں جو پڑے یہ باغ میں
جو ہوئے بسمل ہیں سو اُن کے ہیں یہ لوہو کے داغ

میرے تمام حال کو تقریر ہے یہ زلف
روز سیاہ نالۂ شبگیر ہے یہ زلف

خاموش اس سبب سخن رکھتا ہے بیشتر
تنگ اس قدر ہے منہ کہ نکلتا نہیں ہے حرف

رکھو آہ دل سوز سے میری ڈر
کہ ہے خوشہ چیں اُس کے خرمن سے برق

اے خدا درد سنی ہائے دست کافر کے
حال دفتر ہے مرا تجھکو ہے بہتر معلوم

دوانا کہتا ہے جو دشت کا
رگل دیکھے تک آج بیابان میں

کتابی ہے ہر شعر 'سجاد' کا
پسند اُس کو کرے ہیں دیوان میں

سجن کی زلف پہ جب تک نگاہ رہتی ہے
نہ اشک تھمتے ہیں اک دم نہ آہ رہتی ہے

یہ 'سجاد' کے دل کے جلنے کی قدر
نہیں جو جہتی شمع اُس کو بجھاؤ

آ کھڑا تو ہوا جو کوٹھے پر
گھر گئے عاشقوں کے بیٹھ گئے

دل مرے کا لکھا ہے جب سے سوز
جب سنی ہے قلم کی نوک جلی

سن کے میری فغاں کو عالم میں
بے کسی نے پھر ہاتھ بیچ ڈالی

دل ہو گیا پھپھولا پیارے تمام جل کے
کیا مجھ نہال سے ہوں اُمیدوار پھل کے

تھا نہ دل مرے نے زلفوں سے تاب کھایا
گلشن کے بیچ سنبل کھاتا ہے تاب بل کے

ایسے ترے چمکتے دانتوں کو دیکھ پیارے
پانی ہوجائے موتی مارے نہ کیوں کہ جھلکے

کیا جانتا تھا مجھکو رسوا کریں گے سب میں
یہ طفل اشک میرے آنکھوں کے بیچ پل کے

پڑا در اپنے سخن زندگی کے کاموں میں
نہیں میں دیکھتا صاحب کے کوئی غلاموں میں

جو کہا غیروں سے اور ہم سے نہیں
سن رہیں گے ہم نہیں وہ باتیں کہیں

آپ کا خواب میں بھی نہیں وہ کبھی نظر
'سجاد' ہو گیا ہے عبث کس خیال میں

کس طرح کوہکن پہ گذری گی   ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

عشق سے کس کے نہیں داغ جگر جاتے ہیں
سنگ ہے جس کے بھی سینے میں شرر جلتے ہیں

ہیں شیشیاں شراب کی پیارے بھری ہوئیں
آنکھیں نشے کے بیچ تمہاری گلابیاں

دیکھوں طبیب درد کی دارو ہے کب تلک
مرتا ہوں میں جو عشق میں جیتا ہوں جب تلک

جو اک دھج ہے ابروے خمدار میں
کہاں پائی یہ صرف تلوار میں

اگر وہ صبح کو صحرا کسی کا لیلی کو
نکل کے گھر ستی آوے تو ہم سلام کریں

ہر سادہ رو مخطط ہونے کی دھن رکھے ہے
لیکن کوئی نکالے ایسا سا خط جو لکھ دیں

جب کرے ہے تو دہن کا بیاں
منہ سے غنچے کے پھول جھڑتے ہیں

ر حاک امروهه بود و در سخن تلاش معنی تازہ
ی نمود —

ہیں تجھ ہجر میں پیتے شراب ارغوانی ہم
ے ساقی آرے مارے نہیں مانگیں گے پانی ہم

پپیہے کی طرح دارو کے شیشے رہاں حال سے کہتے ہیں پی پی

وش کھو دیتی ہیں میرا اُس کی آنکھیں مے پرست
سکہ ہوں کم ظرف ہوجاتا ہوں دو پیالوں میں مست

کس سے پوچھوں دل مرا چوری گیا زلفوں میں رات
ایک جو شانہ ہے سو تو بیچ میں ڈالے ہے ہات

— * —

سراج

میر سراج الدین 'سراج' نسو و نمایش از حاک
کی است و طبع روشنش شمع بزم سخن —

ںگر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کو تاکے
گر دیکھے مرا سینہ رفو چکر میں آجاوے

پتھر بھی نہیں ہے شرر شوق سے خالی
بے تابیٔ نبض رگ خارا کی خبر لو

دے معنی سخن بے زاریاں ہیں
سخن اس کی دلداں پیاریاں ہیں

چلائی سو تجھ شمشیر نگہ کی
وہ جادوگر میں کیا عیاریاں ہیں

قصہ سا تھہ رات بس کے یہاں کوئی رہا سگفتہ
ہر صبح دم پیارے کہتے ہیں ہار گل کے

دات احمد کی بہت زیادہ ہے — عقل کا وہاں سوار پیادہ ہے
چرخ سے شق ہو چاند کا گردا * — طست ار دام اوفتادہ ہے

—*—

سلام

نجم الدین علی خان ' سلام ' پسر سرف الدین علی خان پیام ار سے خانۂ تربیت پدر خوجہ خواری فہم و ادراک سودہ در خم خانۂ ہند سر خوش نشۂ تماشا است —

حدیث زلف چشم یار سے پوچھو
دراری رات کی بیمار سے پوچھو
بھتا ہوا قسم ہے تمھیں میرے صدر کی
مسلح میں بعد ذبح تحمل نہ کیجیو

—*—

سعادت

سعادت اللہ خان ' سعادت ' خمیر مایۂ ہستیش

---

* (ں) گردا (گرں) —

ارے غم صبح آنے کی خبر ہے سرو قامت کی
قیامت کل جو آنی ہے عمل کرلے تو آج اپنا

لگا کر راکھ جوگی ہوتی جوری داغ کو بھر کر
مگر کوئی سرو قد کے واسطے چھوڑے ہے راج اپنا

ترا غم زہر تھا پن بوسہ ارو جان کر کھا یا
کیا ہے اپنے ہاتھوں دل ہمارے نے علاج اپنا

وہ ظالم مجھکو چلتا دیکھکر اتنا بھی کہتا نہیں
کہ کیا باعث قدم ہے کیوں نہ ہو آخر سراج اپنا

ہر دم دم خنجر اسے اس سر سے گزرنا
اول قدم شوق ہے منزل کو ہماری

آفریں دل کا مرا خون بھا کام آیا
سج سپاہی کو بڑا نام ہے تل جانے کا

پھر تھرا تا ہے ہر سحر خورشید دیکھہ تجھہ چہرۂ زری کی طرح

نہ ستار نالے کا چلا نالہ شعلہ زو
شاید کہ آفتاب سے چہرا بدل کرے

کل سے دیکھا ہے مرا جی یار کو دیکھا نہ تھا
کیوں نہ ہو بے تاب دل دلدار کو دیکھا نہ تھا

سینۂ گلزار میرا اس کو آیا ہے پسند
یار نے شاید کبھو گلزار کو دیکھا نہ تھا

یار آتا ہے مرے قتل کو اور میں ہوں خجل
حیف اس وقت میں میرا دل بے جان نہ ہوا

نہ پوچھو آسماں پر تم ستارے
ہماری آہ کی چنگاریاں ہیں

غزل خوانی چمن میں بلبلوں کی
ہماری تعزیت کی زاریاں ہیں

مجھ سے تم دست و گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا
چاک سینے کا نمایاں نہ ہوا تھا سو ہوا

آہ سوزاں سے مرے دامن صحرا میں سراج
قدر مجنوں پہ چراغاں نہ ہوا تھا سو ہوا

اب تلک مجھ کو کسی شخص کے چہرے کا خیال
صورت آئینہ حیراں نہ ہوا تھا سو ہوا

میں نہ رکھتا تھا شہیدوں کی عبادت کی خبر
اب دم خنجر کے پانی سے وضو کرنا پڑا

مانگ تیری مِس کے ظلمات میں
ماہ کو دیکھا ہے آدھی رات میں

خواب میں بھی دیکھنا اس کا مجھے مشکل ہوا
بسکہ رہتا ہوں خیال یار میں بیدار نت

فار کے دیوان میں اے مطلع حسن و جمال
قد ترا ہے مصرع و ابرو ہے بیت انتخاب

اے جان سراج آج دکھا درس تو اپنا
ہے وعدۂ فردا مجھے فردائے قیامت

لیا ہے نقد جانِ بلبلاں یعنی خراج اپنا
چلایا خسروِ گل نے اسی رنگوں رواج اپنا

جھوڑ بھی آڑنے سے رہ گئی ہے
کبوتر اُڑ گئے پہتم کے کو کے

حرف الشین

شوق

حسن علی 'شوق' محل استعداد ش ار آبیاری طبع جان آرزو آبے در رو آوردہ و سر سبز کردہ مضامین را دآب و رنگ دستہ و تلاش معنی تازہ کردہ است۔

قاصد پھرا نہ وہاں سے جو اب تک تو آچکا
القصہ اس گلی میں گیا جو سو جا چکا

اگر قاصد ترے کوچے سے تک جلدی نہ آوے گا
تو پیارے دیکھیو پھر تو کہ میرا جی ہی جاوے گا

دکھا دیدار اے پیارے کہ میں فرقت سے مر گزرا
مری مرنے سے محشر آج ہے میں کل سے مر گزرا

کسی کو باغ دنیا سے نہ دیکھا شاد ہم جاتے
بہ رنگ شبنم اک عالم یہاں سے چشم تر گزرا

ماتم میں میرے کوئی نہ رویا تو غم نہیں
تربت پہ میری شمع کا ہنسنا اہی کم نہیں

اول کی تم تو بھول گئے پھر دعا دیاں
لانے لگے ہو خوب تغافل کی نادیاں

مجھ دل کے کوہ طور کا سرمہ دئے ہو تم
باقی ہیں اب ملک بھی وہی لن ترانیاں

دامن فلک بھی ہاے مجھے دسترس نہیں
کیا خاک میں ملی ہیں مری جاں فشانیاں

عید وصل سرو قد سے ہیں مرے گھر شادیاں
عالم بالا سے آتی ہیں مبارک بادیاں

تم پر فدا ہیں سارے حسن و جمال والے
کیا خط و خال والے کیا صاف گال والے

— —

سامان

میر ناصر 'سامان' متاع سخن گوئی از بازار تربیت میرزا مظہر اندوختہ نہ ناجری کالاے معنی دلبند آوارہ بود و شعر را بزبان فارسی خوب می گفت احیاناً خیال ریختہ ہم بخاطرش می ریخت سالے چند ازیں پیش امانت جاں بمقتضاے اجل تسلیم نمود و راہ مراحل مرگ پیمود ۔

اُٹھیں کیوں کر نہ اب دل سے بھبھو کے
کبھو تھے آشنا ہم بھی کسو کے

حرف الصاد

صانع

"صانع" زادگاہش گل زمین بلگرام است ـ

کیا رخصت سگ جاناں کو دیکر استخواں اپنا
نہ چھوڑا ہائے کچھ مجنوں نے صحرا میں نشاں اپنا

سخن کی اس محبت پر دیا تھا جان و دل صانع
نہ تھا معلوم ہوجائے گا وہ نامہربان اپنا

صنعت

محمد جان "صنعت" از اقربائے نواب
نظام الملک آصف جاہ است و این اشعار در معنی یابی
او گواہ است ـــ

سینے میں آہ دل میں تپش اشک چشم میں
شہرہ یہ عاشقی کا مرا گھر بگھر * ہوا

عہدے سے مارتا ہے جلاتا ہے نار سے
کیا ملک حسن کا صنما تو خدا ہوا

یار گھر جاتا ہے یارو کیا کروں ہائے گھر جاتا ہے یارو کیا کروں
در درستیِ قافیۂ این شعر تردد است ـ

صمصام

نواب امیر الامرا صمصام الدولہ "صمصام" مخلص

---

[۱] حاشیہ

تلوار کس پہ کھینچتے ہو ہم تو مر چکے
پیاسے ہو کس کے خون کے ہم میں تو دم نہیں

آچکا خط بھی یہ تیرا دست نہا اک دار ہے
ہو چکی آخر بہار اور اب نہیں آثار ہے

خبر لے سوں کی ظالم تری فرقت میں مرتا ہے
بدتر از تلوار ہے اس پر جو کوئی دم گذرتا ہے

بجھے گی آتش دل ہم نے جانا تھا گھٹا آئی
ہوائے ابر نے دونی ولے یہ آگ بھڑکائی

کہا کیا ستم نہ تھے جو کئے چشم یار نے
جو ستمداں نہیں مجھکو زمانہ دکھا چکا

آنکھوں کی سیاہی بھی سفیدی کے خطر کی
رو رو کے یاد تری میں یوں شام و سحر کی

شاغل

شاغل ، ظاہرا مشق سخن از رسول کردہ است =

حاجت نہیں ہے اس سے تری فکر زلف و رخ
شاغل کو روز و شب ہے ترا فکر زلف و رخ

— * —

آباد کر اے طالع تو جل کے بیابان کو
مرے ساتھی مجنوں کے ویران ہے ویرانہ

نہ جا ناصح کی باتوں پر وہ تیرا درد کیا جانے
وہی کر تو ارے دل جس میں کچھ اپنا بھلا جانے

جفائے یار کو ہم التفات و پیار کہتے ہیں
ستم و عادت کو اپنی ہم اقرار کہتے ہیں

زمیں معمور ہے سینہ کلوں سے داغ الفت کے
سحاب دل کو ہم اپنے در گلزار کہتے ہیں

حرف الطا

طاہر

خواجہ محمد خان 'طاہر' طوطی طبعش نہ آئینہ دارن مصرا مطہر نگہدار آمدہ بود طاہرا بعد ورود دادر ساہ راہ مراحل مرگ پیمود —

پھر زلیخا نہ نیند بھر سوئی
جب سے یوسف کو خواب میں دیکھا

محبت کوہکن کی رنگ اگر جا کر نہ پھیلاتی
نہ خسرو سرخ ہو آتا نہ شیریں زرد ہو جاتی

یار سے ٹک اٹھا نقاب کے تئیں
دور پردے میں کر حجاب کے تئیں

رحمۃ اللہ علیہ —

نزدیک ہے خزاں کا ہووے گزر چمن میں
اب سیر کر لے بلبل آوے جو جیوے من میں

— * —

حرف الضاد

ضیا

'ضیا' نشو و نمائش از خاک پاک ہندوستان است و نتیجہ اشعار تر زبان —

گریباں و چاک اڑا دا جیوں ابر جیوں بگولا
صحرا میں تو نے مجنوں وحشی ضیا کو دیکھا

— * —

حرف الطا

طالع

میر شمس الدین 'طالع' خوش طلعت و پاکیزہ رو بود در ہمیں عنفوان جوانی موج روحش بسر پنجۂ ساقی اجل گرفتار گردید —

عرصے میں ہے اے زاہد اس دور میں پیمانہ
مسجد کے تئیں خالی کیوں چھوڑ کے مے خانہ

بیاباں میں مرے مرنے سے اب تک خاک اُڑتی ہے
مرے ماتم کے کرنے سے تو ویرانہ بہ بار آیا

ہمیشہ زلف خوباں کو کرے ہے درہم و برہم
مرے دل کے ستانے سے کبھو شانہ بہ بار آیا

—— ❊ ——

حرف العین

عاصی

خواجہ برہان الدین عاصی فکر صواب اندیشش عاصم از خطا است —

چمن کے تخت پر جس دن شہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا

خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار در گلشن
بتایا باغباں رو رو کے یہاں غنچہ تھا یہاں گل تھا

رات کو میں شمع کے مانند رو کر رہ گیا
صبح کو دیکھا تو سب تن اشک ہو کر بہہ گیا

—— ❊ ——

عارف

'عارف' از تربیت یافتگان مضمون است معرفت سخن از شعر عارفانہ اش پیدا است —

اے آہ اس قدر تو گر بے اثر نہ ہوتی
ممکن نہ تھا کہ اس کے دل کو خبر نہ ہوتی

باطن میں گو کسو سے تجھے دوستی نہ ہو
لیکن تجھے رعایت ظاہر ضرور ہے

—— ※ ——

ظہور

شیو سنگھ "ظہور" در موزونان عصر نہ جوش گوئی و نیکو نہادی مشہور است - در رنجش تخمیس دیوان انعام اللہ خان یقین می کند و در اکثر آداب دستر می برد -

از بس کیا نہار ہے سب کوہسار سبز
کیا ہے عجب جو سنگ سے نکلے شرار سبز

ظہور اس بات پر مت جائیو زنہار تو اس کی
کہ جو کہتا ہے سو وہ سرو گل رخسار کرتا ہے

چمن میں باندھئے مجکو نہ آشیاں دینا
گلوں سے ملنے کی رخصت تو باغباں دیتا

رقیب ضد سے دوانہ ہوا مری ورنہ
یہ بوالہوس کوئی مردانہ جاں دیتا

جی نکلتا ہے مرا اس بے وفا کے واسطے
اس کو لے آؤ کوئی مجھ تک خدا کے واسطے

مجھے منظور تیرے داغ میں جلنے سے اتنا تھا
چمن میں قد ترے کو دیکھ کر شمشاد اکھڑ جاتا

گوپال

سیتا رام عدد تخلص راد گا هس کشمیر است و
سخن او بدل جاگیر در ریختہ تتبع دیوان انعام اللہ خاں
یقین می نماید و سعر را دستگی و رفتگی می گوید -

نہ اپنے مبتلاؤں پر عضب اے نوجواں رکھیے
اُنھوں کی دلبری کیجے اُنھوں پر مہرباں رہیے

مدام کیوں کہ مرا جی رہے نہ صہبا میں
کوئی سراب سی شے دوسری ہے دنیا میں

یہ تو ٹوٹے سخن سخت سے وہ پتھر سے
میرے سے دل کی کہاں بار کی ہے مینا میں

کبھی تونے نہ کی اے باغباں میرے ستانے میں
بچا یا چین سے رہنے میں اک آن* آشیانے میں

چمن میں اس کے آنے نے منغص کردیا مجھکو
خلل صیاد نے ڈالا مری دھو میں مچانے میں

گلی تک یار کے چاہے اُسے آزار پہنچے گا
کہاں دارالشفا تک یہ دل بیمار پہنچے گا

مرے تابوت پر حاجت نہیں پھولوں کی چادر کی
کہ میری نعش پر وہ سرو گل رخسار پہنچے گا

اُس نے نہیں کیا کبھو ہم سے دراڑیاں
مر جائیے جو یار کرے بے وفائیاں

---

* (ن) میں ہے ایک آن اس -

دختر رز سے کہو کہ اس سے مل ورنہ عارف ابہام کہاوے

ہزاروں معنی باریک آویں دل میں اے عارف
اگر زلف سیہ کا پیچ اس کے منہ پہ کھل جاوے

—‡*‡—

عشاق

'عشاق' رسائی طبعش از تخلصش پیدا است
بلندی دھلش از سخنش ہویدا —

خط سے زیادہ اور ہوا حسن یار کا
آخر خزاں نے کچھ نہ اُکھاڑا بہار کا

—§*§—

عزیز

مصر سخن را عزیز شاہ عبدالعزیز عزیز طبع ر
دانستہ و فکر والا' شعر را عارفانہ گفتہ و گل چاک جانش
از گریبانش شگفتہ —

ڈرتا نہیں ہوں ناوک و کٹاری کے زخم سے
بانکی نگاہ دیکھ تری دل گیا ہوں میں

کاں سنگ ہوا ہوں ترا حسن سحر دیکھ
لو دی برہ کی جب سے لگی گل گیا ہوں میں

—§*§—

دل ھمارا دشت و ھاموں کا ھے دیوانہ ھنوز
مر چکے ھیں تس پہ جوش آتا ھے ویرانہ ھنوز

حکم کیا ھے اسے راتوں کو ترے کوچے میں
دل مرا نالہ و فریاد کرے یا نہ کرے

صدمہ اب ھم تو بہت یاد اُسے کرتے ھیں
یاد ھم کو وہ پری زاد کرے یا نہ کرے

خراب مجھکو نہ کر جان آشنا کر کر
برا کرے ھے کسو سے کوئی بھلا کر کر

صیاد کے تو ھاتھ کہاں تک نہ آئے گی
بلبل قفس سے کب تلک اب دل چھڑائے گی

رباعیات

ناصح کا یہی کام ھے تدبیر کرے — جو ھووے دوانا اُسے زنجیر کرے
اس میں وہ جیئے یا مرے لازم ھے اُسے — تدبیر کے کرنے میں نہ تقصیر کرے

--- * ---

ٹک ایک تو کر انتظار جاتا ھے کہاں
ٹک اک تو پکڑ قرار جاتا ھے کہاں
اتنی بھی اے دل تو نہ کر بے صبری
آتا ھے وہ یار دیکھ جاتا ھے کہاں؟

--- * ---

تونے ہمارے دل کو ستایا تمام عمر
کرتا ہے کوئی کسو ستی اتنی برائیاں

پھنسا کر آپ کو بالوں میں اس شانے نے کیا پایا
پہن کر پانوں میں زنجیر دیوانے نے کیا پایا

کہے گا یار سے اے دل غم اپنا تو تو کیا ہوگا
دکھ اپنا شمع سے کہہ کر کے پروانے نے کیا پایا

نہ کیجو خاکساری ہیچ کہ اے عبدہ تو ہرگز
ملا کر آپ کو ماٹی میں ویرانے نے کیا پایا

کسی کے سینے میں ہرگز مرا سا داغ نہ تھا
مرے چراغ سا روشن کوئی چراغ نہ تھا

چمن میں کھینچ کے لائے ہیں گلرخاں * مجکو
وگر نہ سیر چمن کا مجھے دماغ نہ تھا

نہیں آزادگی عاقل میں دیوانے میں ہو تو ہو
تلاش سوختن کس میں ہے پروانے میں ہو تو ہو

ممکن نہیں کہ جائیں ہم ان گلرخوں کو چھوڑ
جاتی ہیں بلبلاں کہیں کبھو گلستاں کو چھوڑ

اے دل گلی سے یار کی کرتا ہے کیوں سفر
کیوں کر جئے گا ایسے سجیلے جواں کو چھوڑ

مرنے کے وقت یار نے مجھ سے کہی یہ بات
اے عبدہ تو چلا ہے کدھر اس جہاں کو چھوڑ

---

[1] (ن) وحشتیں ـ

نحل اُمید بے وفاؤں سے دل سلامت پھرے تو پھل پایا

مقام زندگی سے کوچ کر گئے جلد یار اپنے
وہ منزل پہنچے اور ہم ناداں ہتے رہ گئے ہیں یار اپنے

اسیری بے مزہ لگتی ہے سن صیاد کیا کیجے
قفس کے کنج میں تنہا عبث فریاد کیا کیجے

پٹکتا سر جو سنگ صورت سپردن سے بہتر تھا
عبث تیشے کے سر جوں دے گیا فرہاد کیا کیجے

ہم راستوں سے تھی جو کچھ اقرار تھا سو ہے
نا آشنا صحیح و دل آزاد تھا سو ہے

پی کیف میں ہے چور نہ جانوں کرے گا کیا
دونا ہوا غرور نہ جانوں کرے گا کیا

دو زلفوں میں پھنسا تھا پھر جدھر نہیں دل پہ کیا گزری
غبار مسک تھا اِس راہ میں گھایل پہ کیا گزری

اُڑا تھا جیوں شرر دل اپنے دود آہ میں غربت
مسافر پر پڑی تھی شام غم منزل پہ کیا گزری

سب آشنا ہوے پی کے بچھڑتے بیگانے
ہوی ہے بے کسی اب یار دیکھئے کیا ہو

اے قاتل قبر پر میری کبھو بھولے گزر کیجو
جو یاد آداؤں ہنستے ہنستے اک پل چشم تر کیجو

جہاں کی آنکھ سے جیوں اشک جو گرا ہووے
تو اُس کا عیب سے طالع کا عقدہ وا ہووے

ناحق تو بتاں سے آشنا ہوتا ہے
کیوں درد و بلا میں مبتلا ہوتا ہے

مطلق نہ مروت ہے انھوں میں نہ و
مجھ سے بھی عبث دل سو جدا ہوتا ہ

رہتا ہوں خوش اپنی جان محزوں سیتی
رکھتا ہوں میں اختلاط ہاموں سیتی

کس طرح دورا میرے جنوں سے صد
کب دشت تھا آباد یوں مجنوں سیتی

عزلت

صاحب طبع والا فطرت حضرت سید عبدالول
'عزلت' پسر سید سعداللہ قدس سرہ نقصیف ظاہ
و باطن ممتلی است و بدریافت علوم کسبی و موہب
مملو ۔ اصلش از موضع بریلی است و مولد
منشاش سورت ۔ کتب متداولہ عربیہ ہمہ آموختہ اس
و از فارسی بہرہ بہرہ اندوختہ ، خوش گو و خوش صحب
کسے است خداش سلامت دارد ـــ

فقیروں سے نہ ہو بیرنگ لالہ وصل ہولی میں
ترا جامہ گلابی ہے تو میرا خرقہ بھگوا ہے

میرا غبار دل میں اُسے نیشتر کیا
خاموش ہو کے نالوں نے کیا خاک اثر کیا

ہزاروں میں نہ مجھکو مجھکو اس گلرو کا مضموں ہوں
مرے زنجیر کرنے کو گلابی ہار پھر بنا

سب سے آزاد و گرفتار ہوں کس کا اُن کا
بندۂ دعوی سرکار ہوں کس کا اُن کا

یار عاشق کا خریدار کہاں ہے کہ نہیں
مہرباں ایک وہ دلبر میاں ہے کہ نہیں

مجھکو گلرو نے خموشی سے کیا قتل سو کیوں
بلبلو دم کہو کیا منہ میں زباں ہے کہ نہیں

جلایا مجھے دل نے کہوں برق تغافل سے
جو سچ بولوں تجھے جھوٹی قسم کھانے کے کام آیا

کیا دن پڑے ہیں مجھکو تری صبح وصل میں
جب سیہ کی کہتے تھا رات ہوگئی

تنہا چلا میں جیوں طرف وادی جنوں
زنجیر پاؤں پڑ کے مرے سانپ ہو گئی

اے سالک انتظار حج میں تو کیا ٹھکانا ہے
دل کو لے سا جو کرلے طوف دل پہلو میں مکا ہے

چراغ گل کو روشن کر دیا آہوں کے شعلے سے
ہزاروں درجے بلبل خام پروانے سے پکا ہے

جو ہے ہر سنگ میں پنہاں سو آتش لعل سے چمکے
سبوی میں حق ہے پر عارف میں کتنا رسوا جھوٹکا ہے

وہ گلرو کیا مری بلبل اُپر بیداد کرتا ہے
گلے ہت ڈال و پر سب وار کر آزاد کرتا ہے

ہر دم وہ صنم گر مرا حور حوار نہ ہوتا
دا لہہ کہ حیقا سجھے درکار نہ ہوتا

بے قدری سے روشن دل اگر داغ نہ ہوتے
ہر گز کسی آئینے پہ زنگار نہ ہوتا

ہوس و دل لے کر ہمارا اب نہیں لیتا سلام
دے جواب اے بے مروت ہم نے تیرا کیا کیا

مت جھٹک ہم جلوں اوپر دامن
بات سن راکھ نے اُڑا مت دے

وہ سخت تر اول سے ہوا سن مری فریاد
نالوں کا مرے پتھر اثر ہووے گا یا رب

اگرچہ یار میں وحشت ہے کچھ سیا دہی ہے
ہے اس کی وضع تو ہیگا نہ آسنا ہی ہے

اے تلخ کو ترے لب شیریں میں سحر ہے
تو جس کو گالی دیوے وہ تجھکو دعا کرے

حشر میں قمر سے کہتا ہی اُٹھے گا مے کش
کہ کہاں مے ہے کہاں جام کہاں ہے سیشا

بندے ہیں تیری چھب کے سہہ سے جمال والے
سب گل سے گال والے سنبل سے بال والے

مت ہو تو بھلا پھلا بہت سیاہ کر اُجلے
اے انگی سال والے پھگرہے رومال والے

جو اک دم منہ لگاوے اس کو وہی گھونٹ جاے کیا تیرا
گیا حقے سے بھی کیا یہ دل ویراں کس کا میرا

میں وہ مجنوں ہوں کہ جیوں گل چمن محشر میں
ہوگا دامن پہ مرا ہاتھ گریباں کے ساتھ

ہوا ہے قحط الفت تب تو دیوانوں کو طفلاں سے
بھر دشنام سنگیں اتنے پتھر بھی نہیں ملتے

جلد مرگئے تری حسرت میں ہم   پر ترا دیر کا آنا رہ گیا

جیوں موج آب ہے یہ جنوں در و تن مجھے
زنجیر کی صدا ہے دم زیستن مجھے

ایک بوسہ دے اے کافر دست خدا کے واسطے
مر رہے ہیں ہم ابھی آب بقا کے واسطے

سیہ روزی اے سپہر اب میں سعی آہ سے کاٹی
وہ پربت سی شب ایسے تیشۂ جاں کاہ سے کاٹی

گئے سب مرد رہ کے رہروں اب الفت سے کامل ہوں
اے دل والوں میں ان دل والیوں سے سخت بیدل ہوں

ہر آن جیوں نفس سفری ہیں جہاں کے لوگ
جاتے ہیں پیش و پس چلے اس کارواں کے لوگ

پر زنگ ہے آئینۂ دل ہلد سے عزات
گر چاہے صفا ہاں تو صفاہاں کو پہنچ تو

موے پر بھی توجہ ہے جنوں کو میری عزت پر
اٹھا پتھر اسے طفلوں کے گنبد میری تربت پر

نیم بسمل ہوا میں تیغ نگہ نے رکھ لی
کس بھلے وقت ذرا ہو گیا جلاد کے بس

کب لگ احباب کا غم مجھکو دکھاوے گا فلک
خاک ہو گئے ہیں بہت اور ہیں چلنہار کئی

دیکھکر موتی وہ بالوں کا بتوں نے پکڑے کان
شمع رو میرا یہ سب آتش رخوں کی ناک ہے

خاطر یاراں میں ہے ہم خاکساروں کا غبار
صاف ہے شکوہ دلوں میں کیا محبت خاک ہے

اُس آہن دل کا جوہر مثل خنجر ہوں دشاری ہے
صفائے دل کا وہ ہر چند دم مارے ریائی ہے

بگولا ہو کے راہ بے ستوں میں کوہکن اب لگ
سُم گلگوں کی ماٹی ہاتھ مل مل چھاڑتا ہوگا

چشم رکھتا ہوں کوئی ایک پل نہ روئے مرے بعد
آپ کو جیوں شمع میں مرنے سے آگے رو چکا

جیوں گل رخسار میں مثل لالہ خوش رہا کرئے
جگر پر داغ کھا کر جوں دل پی کر ہنسا کرئے

پیر ہو شیخ ہوا ہے دیکھو طفلاں کا مرید
مژدہ دولا ہے کہن پھاڑ دیا مت آئی

غضب ہے وہ صنم آنکھیں دکھا نظروں پھراتا ہے
یہ دل دینے کے عصیاں کی سزا ہے حق دکھاتا ہے

جو ہم یہ طفلوں کے سنگ جفا کے مارے ہیں
بتوں کا شکوہ نہیں ہم خدا کے مارے ہیں

اپنی آنکھوں اوپر نگاہ کرو　　آج مشہور ہیں پتا کیا ہے

بس کرو زلف کو لپیٹ رکھو　　کیا اسیروں کو مار ڈالو گے

ایک رسوا بہت ہے شہرے کو　　جمع کر کیا اچار ڈالو گے

دل میں دل لے کے یوں مکرتے ہو　　کہ گویا ان تلوں میں تیل نہیں

مجھے زلفوں دکھانا کیا سبب تھا میں کہیں بوجھا
الجھنا اس میں دل کا وقت سب تھا میں نہیں بوجھا

باغ میں صرصر سے ہوتی ہے خزاں آخر کو دیکھ
عاقبت عاشق کی آہ اے گلبدن برباد نہیں

عاصی

نور محمد عاصی از برہان پور است طبع سلیم و ذہن مستقیم دارد —

سمجھے ہیں ہم کہ اب کہیں ہم نے بھی دل دیا
بیٹھے کہیں ہو بات کہیں ہے نظر کہیں

آتا تھا تیرے منہ کے مقابل ہو آفتاب
ایسا گرا کہ تیغ کہیں اور سپر کہیں

کیا ظلم ہے اے سوئی سی پلکوں والے
آہستہ سیو رحم ہیں دل کے آلے

وصل گل میں چاک اپنا گریباں کیجیے
دل سے تا نکلے عشق کے اکھڑیں اگر تک سینہ

جنوں سے ربط ہے کیوں موج آب اتنا مرے جی کو
کہ نقش زندگی مت جا نہ پھاڑوں گر گریباں کو

جاتا ہوں اسکی یاری جو اب دیکھیں تو پھر کہ
اے چشم دوست داری جو اب نہیں تو پھر کہ

شاید اُس زلف میں پھرتے نہ سخن کہتا تھا
یا ب کہتے ہیں سب وصل چلی جاتی ہے

نیز در شان حضرت امیر المومنین علیہ الصلوۃ والسلام
واقع شدہ است —

واسطے اُس شاہ کے فراش قدرت ہر شب
کیھنچتا ہے خیمۂ خورشید سے زریں طناب

—§—

عمر

معتبر دیاں عمر تخلص از تربیت کردہ ہاے واو
دکنی است از منصب داران سرکار والا بود و در
سخن تلاش معنی تازہ می نمود —

اُنڈی رونے سے مرے ابرو کہاں کی نہروں سے چلیں
کس طرح ٹھہرے کہاں اس بارش و برسات میں

کیوں کر دہر کے دور کٹتیں اے کمہاری
اب تو ہزار سال کے بدھنے لگے گھڑے

عاجز

عارف علی خاں عاجز تخلص ریختہ را ہموار می گوید و در خجستہ بنیاد می گذراند —

اے زرد پوش تم ہو اگر ساج زعفران
عاجز بھی داغ عشق کا رنگیں پلنگ ہے

تری برگشتہ مژگاں کا خیال آتا ہے یوں دل میں
دکن کی فوج جیوں دھالے پکڑ بنگالہ پر آوے

تری بانکی گلی میں ہم گزر کو سر سے دیکھتے ہیں
خدا وہ دن کرے قاتل کہ تو اس راہ پر آوے

جنجال زندگی سے کیا ہو گیا جو چھوٹے
عاجز ابھی پڑا ہے ملک عدم کا جھگڑا

تری دوری میں اے گلرو ہمارے اشک خونیں سے
پلک کے ہاتھ میں یاقوت کے دانوں کی مالا ہے

وہ دیوانہ ہوں کہ اب شہر کو صحرا سمجھوں
چتر شاہی کو بگولے کا چھلاوا سمجھوں

اگر اس شعلہ خو کی بزم میں جیوں شمع جل سکیے
پتنگے کی طرح جی سے فدا ہونے کو چل سکیے

نرچھی وہ نظر کر گئی سینے سے
ورنہ تیر ہے * بہت ہیں دیکھے بھالے

عاشق

میر یحییٰ مخاطب بہ عاشق علی خاں عاشق مولد

و منشاش دکن است و فکرش بلند و سخنش ارجمند در

مرثیۂ حضرت سیدالشہدا گوید —

ہیں شہید کربلا سب سرخ رو ہیں
مصطفیٰ کی آل کا کیا رنگ ہے

ررالا یار جب بولا مرا آدھا رپے پر ہے
تو ہم بولے کہ منہ دیکھو رے کے سولہ آنے ہیں

وقت بد میں کیا کسی سے ہے رفاقت کی امید
بھاگتا ہے جب زوال آتا ہے سائے سا رفیق

صاف دل آرسی سا کوئی نہیں
اک منہ دیکھی آشنائی ہے

یار کو دیکھ میں قربان ہوا
اس تجارت میں مجکو وارا ہے

نکلے ہیں اجلے بال چڑاتے ہیں تب سے ہم
بوڑھوں کے بیچ ہم بھی چنڈے جواں ہیں

ہاتھ پر ہاتھ مرے دھر کے چلے آئے ساتھ
دیکھو طالع کی مدد آج مرے ہاتھ پڑے

---

* (ں) نیرے –

مجھ سے بے دل کی اگر تصویر کھینچا چاہئے
اے مصور صورت دلگیر کھینچا چاہیے

—— * ——

حرف العین

غریب

محمد زمان عرف سعرش حالی از عزامت معدی نیست —

تیری بغل ہی میں دل پر داغ ہے غریب
حسرت چمن کی کاہے کو یہ داغ ہے غریب

— * —

حرف الفا

فغاں

اشرف علی خاں فغاں تخلص از عہدہٴ منصب داران عہد سعادت مہد است وضع ظریفانہ دارد بمقتضائے مراسلات روحانی داریاب سخن گرم می جوشد و سرپشم اختلاطی می نماید —

شکوہ کرتے ہے کبھوں تو مرے اشک سرخ کا
تیری کس آستیں مرے لوہو سے بھر گئی

دکھ کی مار ڈالا برچھی چلا آتا ہے وہ ظالم
کلیجا چھن گیا دل چھن گیا کیوں کر کہ تل سکیے

ہماری سرح بیتابی کے تئیں تحریر کر سکیے
جو بجلی کے تڑپنے کی طرح تقریر کر سکیے

مصور نے مرے آنسو بھرے انکھوں کے نقشے کو
بہت رو رو کے آب گوہر غلطاں سے کھینچا ہے

مری چھاتی سیتی جب آہ کی باہر نکل آوے
جگر کو چھید کر جن کو جلا کر دل کو چیر آوے

اگر کیسی سجن میرا نہال تاک کو پہنچے
صراحی شاخ ہو جاوے شراب انگور سے ٹپکے

وہ چنچل کول زلفیں ہار سے ساتے کو پکڑی ہے
ارے دل کیا خبر تیری کہ آنکھوں میں اندھیری ہے

پڑیں میرے گلے میں قمریوں کے طوق کے حلقے
اگر وہ سرو قد زلفیں کھلی مجھ بر میں آ بیٹھے

ہنسے جب کھل کھلا کر وہ رنگیلا پھول بن جاوے
نظر جب تیز کر دیکھے پتی کی ہول بن جاوے

عجب شور جنوں ہے ان دنوں میرے خیالوں میں
کہو مجنوں سے دو دن چپ رہے بہتھول بن جاوے

اڑا دیں جب چمن میں خاک سر پر اس رنگیلے دن
سر اوپر بلبلوں کے نکہت گل دھول بن جاوے

دوانو کوہ و صحرا پر جنوں میرا ہوا حاکم
کوئی جا کر کہو فرہاد و مجنوں کا وکیل آوے

ازو سما رسیده است —

مست شراب دهه قبا وا کیے هوئے
پوچها میں اس طرح سے چلے هو کہاں میاں

کہنے لگا لیے دیغ کو عصے هات میں
سهتا هے بے ده کون رداں هے میاں میاں

— * —

حرف القاف

قائم

محمد قائم قائم ' تخلص شعرش پسندیده است
و فکرش سنجیده —

دریا هی پهر تو نام هے هر یک حباب کا
اٹهه جاے گر یه بیچ سے پرده حجاب کا

کیوں چهوڑتے هو درد تہ جام سے کشو
هے یه بهی دور آخر اُسی آفتاب کا

درد دل کچهه نهیں کہا جاتا
آه چپ بهی نهیں رها * جاتا

هر دم آنے سے میں بهی هوں نادم
کیا کروں پر نهیں رها † جاتا

---

* [ں] رها نہیں   † [ں] رها نہیں —

آوارہ پریشاں و شکستہ دل و بدنام
سنتے تھے فغاں حسن کو سو آج ہی نظر آیا

ہستی کی خرابی نظر آتی جو عدم میں
ہرگز کوئی اس خواب سے بیدار نہ ہوتا

اے شیخ اگر کفر سے اسلام جدا ہے
پس چاہیے تسبیح میں زنار نہ ہوتا

— * —

فضلی

شاہ فضلی دکنی، طبعش بلند و فکرے ارجمند دارد، درجے ازاں زباں خامہ و سفینۂ کاغذ می سپارد —

مصور گر تری تصویر کو چاہے کہ اب کھینچے
لگاوے ایک سارا چاند چہرے کے بنانے کو

سجن کو میں کہا ٹک منھ تو دکھلا
کہا آئینہ رو بے بیٹھ منھ دیکھ

زلف کے سلسلے کے طالب کو
پیچ دے کر مرید کرتے ہیں

تیرے رخسار کی صفا آگے منھ دکھو آرسی کی صافی کا

— * —

فدا

فدا نمی دانم کیست و کجا زیست۔ این قطعہ

دہن کو تیرے پایا بات کہتے
ہماری دور رسی میں کیا سخن ہے

نہ لگا دل کو اُس کی مژگاں سے
اپنے حق میں تو کانٹے مت بووے

دل ڈھونڈنا سینے میں مرے بوالعجبی ہے
یہاں راکھ کا اک ڈھیر ہے اور خاک پڑی ہے

جی میں چاہیں تھیں جو کچھ سو گئیں سب یار کے سات
سر پٹکتے ہی گیا اب در و دیوار کے سات

نہ دل بھرا ہے نہ اب نم رہا ہے آنکھوں میں
کبھی جو روتے تھے خون جم رہا ہے آنکھوں میں

میں مر چکا ہوں پہ تیرے ہی دیکھنے کے لئے
حباب وار تنک دم رہا ہے آنکھوں میں

وہ محو ہوں کہ مثال حباب آئینہ
جگر سے اشک نکل تھم رہا ہے انکھوں میں

اب کے جو یہاں سے جائیں گے ہم
پھر تجھکو نہ منہ دکھائینگے ہم

جو چاہئے چاہ کا سر رشتہ
جیتے ہیں تو کر دکھائیں گے ہم

اُٹھاوے ستم یا جفا کیا کرے
بچارا یہ دل ایک کیا کیا کرے

میں جاتا ہوں کعبے سے اب دیر کو
بھلا یہ بھی دیکھوں خدا کیا کرے

جا ہے ماتم کو بت مرے دل میں
اِس نگر سے نہیں رہا * جاتا

یہ کہیو تو قاصد کہ ہے پیغام کسی کا
پر دیکھیو لیتا ہے کبھو نام کسی کا

یک دگر جب جھگی آنی تو جھگڑا کیا ہے
تم کو جوا ہندہ بہت ہم کو خریدار بہت

بھلا اے ابر مژگاں اب دو دس کر
ابھی تو کھل گیا ہے تو برس کر

بہار عمر ہے قائم کوئی دن
اُسے جیوں گل پیارے کاٹ ہنس کر

ہمارے درد دل کے تئیں یہ کب نے درد بوجھے ہیں
ہم اپنے جی سے عاجز ہیں اِنہوں کو عیش سوجھے ہیں

روکے ہے کیوں دیکھ مرے عشق نے کہا
بولا ادھر سے داغ جگر لے سفر کہ ہم

اٹھاں وآه کشتۂ بیداد کیا کرے
جو قتل ہو چکا ہو سو فریاد کیا کرے

میں دوانا ہوں صدا کا مجھے مت قید کرو
جی نکل جائے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھ

پہلے ہی سوجھتی تو ہمیں یہ سب دواں
یہ رات کس طرح ہے خدا کب سحر کرے

---

* (ن) رہا نہیں -

مجھے اے سرو قد تجھ ناز نے مارا سراکت سے
اٹھا کے گل ہماری قبر اوپر دار دو رکھیو

—*—

قادری

محمد خلیل قادری تخلص رحمۃ را ہموار می گوید
و در دکن بسر می برد ۔

جوش اٹھا جب سے فقر کا کامل
پھینک کر دو جہاں ہوں دنیا کو

—)٠(—

حرف الکاف

کلیم

محمد حسین 'کلیم' تخلص سخنش دل پذیر است
و حرفش بدل جاگیر ۔

آتی ہے دل پہ قلقل مینا سے اب شکست
وے دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا

مت دانگیں سے پھرے بھوں تڑگدا * روبیت
گر دل میں ہے تو مجھکو بھی انکار دیکھنا

نہ کچھ برا ہوا پروین کا نہ سورج کا
ترے ہی سر پہ اے فرہاد جو ہوا سو ہوا

---

* (ن) تڑپے کا ۔

مرا کوئی احوال کیا جاندا ہے
جو گزرے ہے مجھ پر خدا جاندا ہے

—)٠(—

قدرت

قدرت اللہ، قدرت تخلص بر سخن قدرت دارد
و بسا جہاں آباد می گذراند -

قاصد شتاب جا کے خبر لا تو یار کی
حالت بری ہے دل بے قرار کی

—*—

قدر

قدر نقد کامل عیارش در چشم قدراں سخن‌ضیر قدر دارد —

آئے ہو آج تو رہ جاؤ سجن رات کی رات
الله اللہ رے بہتر ہے ملاقات کی رات

—*—

قاسم

قاسم دکنی از تراوشِ کرد ہائے عرلت است -

دیکھ مجھ چہرۂ طلا کا رنگ
اُڑ گیا آج کہربا کا رنگ

میں ہار دیا جان تجھے مولسری کا
اک دام دوی مجھ سے وہ لیا مول سری کا

سو روضۂ رضواں کو میں ایک آن میں دیکھا
جب گل کی طرح چاک گریباں میں دیکھا

—— * * ——

کھتّرین

کھتّرین شعرش زبان زد عوام است و طبعش مائل با صفائی و ایہام —

دکھو پکڑاں والی کی سواجن   جسم کے روپ دیکھی ہے ساجن

تم پادشا پسند ہو ہم کھتریں تمھارے
کے پہر دو گے ہم کو بارک ندن پیارے

—— * * ——

کافر

میر علی نقی کافر تخلص بہ تقریب آشنائی بیگانہ دارد و بعنوان بتکدہ گری بسر می برد —

حسرت سے ان بتوں کے دل پر کدورتیں ہیں
مٹی کی مورتیں ہیں کافر یہ صورتیں ہیں

کس کس طرح بتوں کی صورت لے رنگ پکڑے
کافر ان انکھڑیوں نے دیکھے ہیں کیا دھکڑے

—— * * ——

نشاں مجھ دل کا مت پوچھو یہ مجنوں
کہیں اس طرف ویرانے کے ہوگا

قبر میں ہی لیے ہمراہ گیا اپنے کلیم
آہ کیوں درد دل اپنا نہ کسی کو سونپا

تا صبح تجھ بغیر عجب میرا رنگ تھا
روشن تھی شمع آہ دل اس پر پتنگ تھا

رکھتا ہے زلف یار کا کوچہ ہزار پیچ
اے دل سمجھ کے جائیو ہے راہ مار پیچ

سو رحم کھا چکا ہے دل اس پر جگر جلا
کہتا ہے مجھ کو رحم ہے ایک آرزو ہنوز

جو صدا آتی ہے اس وادی سے ہے سینہ خراش
یہ کوئی دل روتا جاتا ہے نہیں بانگ جرس

پوچھ مت غم کی داستاں اے دل
کہ پڑا ٹوٹ آسمان اے دل

مانند سرو ہوں کہ نہ گل ہے نہ بر مجھے
بےکار باغ ہوں پہ سزاوار باغ ہوں

اب دم سرد گی سے مجھے کار و بار ہے
ہر دم مرے حساب میں روز شمار ہے

غرور حسن ممکن نہیں کسی کی داد کو پہنچے
غرض تم سن چکے احوال ہم دردان کو پہنچے

اُس کے ابرو کی اگر تصویر کھینچا چاہیے
اول اپنے قتل پر شمشیر کھینچا چاہیے

اپنا چاک پیرہن بھاتا ہے دیوانے کے تئیں
آگ میں جلنا بھلا لگتا ہے پروانے کے تئیں

حرف المیم

مظهر

ادا فهم معنی پرور میرزا جان جانان مظهر اصلش از معمورهٔ بخارا و مولد و منشأش اکبرآباد است بشرافت نسب و نجابت حسب موصوف است و مکارم اخلاق شریف معروف حقا که ذاتش مظهر تجلیات الهی است و مطلع انوار فیوضات غیر متناهی از بدو شباب الی یومنا هذا که عمر شریفش به پیمائش خطوط سنین است از بلند منشی توکل و انزوا بسر برده و از والا همتی سر التفات بپادشاه و وزیر فرو نساخته متکی مسند فراغت و مربع نشین چار بالش عزلت است از انجا که علم فقه و حدیث حظے وافر دارد و از کتب سیر و تواریخ بهرهٔ متکاثر، سرش از بلند همتی بشعر و شاعری فرو نمی آید و این مشغله ها را سرمایهٔ افتخار نمی انگارد۔ چنانچه اکثرے از اشعارش از راه بے پروائی از صفحهٔ خاطر محو و منسی شدند و برخے

گھاسی

مہر گھاسی در احوالش اطلاع نیست —

تو ہو اور باغ ہو اور زمزمہ کرنا بلبل
تیری آواز سے جیتا ہوں نہ مرنا بلبل

—— *** ——

حرف اللام

انسان

میر کلیم اللہ انسان تخلص جوان خوش رو و خوش خو بود۔ چندے اوقات عمر بسر بردہ در عین عنفوان جوانی جا گرم نہ کردہ رخت بسرائے خاموشی کشید —

جدا ہو مجھ سے مرا یار یہ خدا نہ کرے
خدا کسو کے تئیں یار سے جدا نہ کرے

تو جب تلک کرے انکار وعدہ مجھ سے سخن
غضب ہے عمر اگر تب تلک وفا نہ کرے

سخن جو تجھ سے ہوا آشنا سو جی سے گیا
خدا کسو کے تئیں تجھ سے آشنا نہ کرے

گناہ مرنے میں انساں کے چارہ گر کا نہیں
طبیب کیا کرے تاثیر جو دوا نہ کرے

نرگس و گل کی دیکھو کلیاں کھلی جاتی ھیں سب
پھر ان حوا دیدہ مستوں کو جتاتی ھے بہار

ھم گرفتاروں کو اب کیا کام ھے گلشن میں لیک
جی نکل جاتا ھے جب سنتے ھیں آتی ھے بہار

اتنی فرصت دے کہ رخصت ھولیں اے صیاد ھم
مدتوں اس باغ کے سائے میں تھے آزاد ھم

الہی مت کسو کے پیش رنج و انتظار آوے
ھمارا دیکھیے کیا حال ھو جب تک بہار آوے

رکھی نہ ری رگوہ کا یک پل جھا تو پھر کیا
صیاد کی بغل میں تک دم لیا تو پھر کیا

نہیں کچھ ھم کہ کیوں ملتا نہیں پیماں گسل میرا
میں روتا ھوں یہ دل کی پے کسی پر ھاے دل میرا

یہ دل کب عشق کے قابل رھا ھے
کہاں ھم کو دماغ و دل رھا ھے

نہیں آتا کسے تکیے اوپر حواب
یہ سر پاؤں سے میرے ھل رھا ھے

خدا کے واسطے اُس کو نہ ٹوکو
یہی اک شہر میں قاتل رھا ھے

اُر گل کو گل کہوں تو ترے روکو کیا کہوں
بولوں نگہہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں

تجلی گر تری پست و بلند اُن کو نہ دکھلاتی
فلک یوں چرخ کیوں کھاتا زمیں کیوں فرش ھو جاتی

حنا تیری کف پا گر نہ اس شوخی سے سہلاتی
نہ آنکھیں کیوں لہو روتیں انھوں کی نیند کیوں جاتی

از عدم اعتنا و توجه ناظرین فن مهجور و ابتر گشته لیکن
چون عشق سخن سرشته آب و گلش هست و مهر معنی
جاگزین دلش از فرط استیلای عشق معنی هر گاه از صحبت
صوفیان خانقاه و مستفیدان خدا خواه فرصتش دست بهم
می دهد متوجه این شغل بی حاصل می گردد و میرزا مظهر
فارس دو میدان و والی دو مملکت بیان است و شعر
فارسیش بغایت لطافت و نظم ریخته اش بنهایت عذوبت ۔

گئی آخر جلا کر دل کے ہاتوں آشیاں اپنا
نپچوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا

ہمارے ساتھ سے وہ دل نہیں بھاگا لے کے جاں اپنا
ہم اس کو جانتے تھے دوست اپنا مہرباں اپنا

یہ حسرت رہ گئی کیا کیا مزوں سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغباں اپنا

مرا جلتا ہے دل اس بلبل بے کس کی غربت پر
کہ گل کے آسرے پر جن نے چھوڑا آشیاں اپنا

کوئی آزردہ کرتا ہے سجن ایسے کو اے ظالم
یہ دولت خواہ اپنا مظہر اپنا جانجاں اپنا

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار
ہائے کچھ چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار

لالہ و گل نے ہماری خاک پر ڈالا ہے شور
کیا قیامت ہے موؤں کو بھی ستاتی ہے بہار

مظہر و خان آرزو کردہ از تبادر حضرت گذشتہ سکر است

چنانچہ گوید —

کرے کیوں نہ شکر لبوں کو مریض   کہ دادا ہمارا ہے یارا وردی

با وصف درویش پیری و فرط ضعف و ناتوانی ہا

مردے بود دعایت گرم جوش و چسپاں اختلاط ہر گاہ

دانداتس از قولہ ریختہ خان آرزو از مزاج ساعو

بیدادہ می گفت - شعرش حالی از دراکت نیست —

ہم نے کیا کیا نہ دیے غم میں اے محبوب کہا
صبر ایوب کیا گریۂ یعقوب کیا

این شعر در قلمرو ہندوستان مقبول طبائع بودہ

لیکن افسوس کہ بہ مضمون قبضا کردہ مخلص بہ ہندل

در آمدہ —

در فراق تو جہاں اے رب محبوب کدم
صبر ایوب کدم گریۂ یعقوب کدم

گر حرف حق زبان سے ہماری کبھو سنے
احوال اپنا دیکھ کے حلاج سر دھنے

کرے ہے وارثی کامل کو سرداح   ہوا منصور سے نکتہ نہ حل آج

سدری بہ خط کو دیکھ پیا رے عجب نہیں
ہوکر کے مست بھنگ بھی ملکے اگر چلے

کیا سوختہ نا بدھا ہے بلبل نے چمن میں آشیاں
ایک تو گل بے وفا ہے تس پہ جور باغباں

اگر یہ شور مہری تجکو آساں نہ سکھلاتی
تو کیوں کر آفتاب حسن کی گرمی میں پھند آتی

الٰہی درد و غم کی سرزمین کا حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی

توفیق دے کہ شور سے اک دم تو چپ رہے
آخر مرا یہ دل ہے الٰہی جرس نہیں

جواں مارا گیا خوباں کے اوپر میرزا مظہر
بھلا تھا یا برا تھا زور کچھ تھا خوب کام آیا

مرتا ہوں میرزائی گل دیکھ ہر سحر
سورج کے ہاتھ چوری و بکتا صبا کے ہات

کسی کے خون کا پیاسا کسی کی جان کا دشمن
نہایت شوخ لگایا ہے سجن نے بیڑۂ پان کو

آتش کہو شرارہ کہو کوئلا کہو
مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

خدا کو اب تجھے سونپا ارے دل
یہیں تک تھی ہماری زندگانی

— ❊ —

مضمون

درباہ معنی مضمون شیخ شرف الدین مضمون ار
شعراے قرار دادۂ ریختہ است مشق سخن از میرزا

راز دل آنکھوں نے سمٹا ظاہر کیا   ہائے کہتا رو دیا رو نا نہ تھا

—— * ——

موزوں

نواب خواجم قلی خاں ذوالفقار الدولہ ، موزوں ' تخلص از دکن است طبع موزوں دارد -

موزوں نے راہ عشق میں اب پھر قدم رکھا
ہے مصلحت سے دور نہ جانوں کرے گا کیا

—— * ——

میزاں

میرزا میر میراں تخلص مخاطب بہ سپہدار خاں پسر نواب علی‌مرداں خاں است طبع عالی دارد ازوست -

آہ اگر داغ سے وہ سرو خراماں گزرے
اسکے قمری کا گلستاں میں طوفاں گزرے

—— * ——

میر

سخن سنج بے نظیر میر محمد تقی میر تخلص زاد گاھش
اکبرآباد است وطنش معدن ایمان شمع استعدادش

مہ رو نے بوجھ پکڑا مشکل ہوا ہے جھولا
یارو جدا کرے جدھر بھاری ہے یہ سہیلا

چلا کشتی میں آگے سے چلا * مقصود جاتا ہے
کبھو آنکھیں ابھر آتی ہیں کبھو جی ڈوب جاتا ہے

مرا یہ اشک قاصد کی طرح اک دم نہیں تھمتا
کسی بے تاب کا گویا لئے مکتوب جاتا ہے

مضمون شکر کو کہ ترا اسم سن رقیب
غصے سے ڈوبتا ہو گیا لیکن جلا تو ہے

بلبلو شور چمن میں نہ کرو　کوں سنتا ہے تمہارے فریاد

مے کدے میں گر سراسر فعل نا معقول ہے
مدرسہ دیکھا تو واں بھی فاعل و مفعول ہے

— * —

مؤمل

محمد مؤمل معاصر میاں آبرو بود و در سخن تلاش معنی تازہ می نمود گویند در اواخر عمر جنون بر مزاجش طاری شد و اختلالے در حواسش ساری آخر با ستغنائے نوکری وترک ملازمت ارباب دول پرداخته در شاہجہاں آباد بزاویۂ خمول ساختند بعد چندے ندائے ارجعی شنید و رخت بسرائے خاموشاں کشید ـ

* [ن] جو ور ـ

یوسف مصر پہونچتا ہے کوئی
دیکھ سے دلبر عزیز دلہا کو

رب تمہارے عقیق لب کا شوخ زندہ کرتا ہے نام عیسیٰ کو

دورے گئے وہ کوہکن و قیس کے جو تھے
میرے جنوں کا اب تو زمانے میں شور ہے

را رنگ رو اس قدر زرد ہے کہ یہاں رہروان راہ بھی گرد ہے

گر سینہ دوزخ میں گرمی ہے زور سرے پاس بھی اک دم سرد ہے

اُس کے کوچے میں ہے کچھ نالہ شبگیر کا ذکر
دیکھیو کوئی وہاں میرا تو مذکور نہیں

ابع نازک کو مری ہاتھ ہی میں رکھو کہ میں
یس و فرہاد سا دہقانی و مزدور نہیں

کہا جائیے وہ سوچ کدھر ہے کدھر نہیں
ہم کو تو تن بدن کی بھی اپنے خبر نہیں

س دشت پر خطر کا میں دیوانہ ہوں جہاں
دم کا ذکر کیا ہے ملک کا گزر نہیں

دل دینے پر ہے جی تو کرو خانماں خراب
یہ عاشقی ہے شیخ جی خالہ کا گھر نہیں

عشق نروں میں ہے تو بھلا کہیئے کیا کروں
یا ایک دل بساط میں اس کو بھی کھو چکا

دا رہتا ہے نالاں کارواں سا مرا دل ہے الٰہی یا جرس ہے

در کردہ شعلۂ ادراک سراج الدین علی خان آرزو است ۔ وقتی شعر اشعارش نمودہ و چشمے آب دادہ حقا کہ دراں تلاش معنی بیگانہ کردہ است و حرف آشنا رابروے کار آوردہ —

بھلا تم بتاؤ دل لے کر ہمیں دشمن گنواب تو
کبھو کچھ ہم بھی کرلیں گے حساب دوستاں در دل

— * —

میر

محمد میر ، میر تخلص ، شعرش پسندیدہ است و سخنش سنجیدہ —

شہرۂ حسن سے از بسکہ وہ محبوب ہوا
اپنے چہرے سے جھگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہوا

— * —

محسن

محمد حسن محسن تخلص از بس دولت معنی از خزانۂ محمد تقی میر اندوختہ است و چراغ از فروغ استعدادش افروختہ —

حرف النون

ناجی

محمد شاکر ناجی تخلص، گویند روے آوردہ داشت و رندواں سپہ گری علم می افراشت طبعش اکثر مائل با ہجو بود —

تکلف کھینچے حد سے زیادہ رکھے جو فیض
گو نام کو ہما ہے پہ کھاوے گا اپنے ہاڑ

عید ہوتی تھی جو گئی افطار کرتا جس کے گھر
اب دکھاویں طے کا روزہ دیکھ کر مہماں کو

ہر نگہ ظالم کی نہیں وقتے سے خالی الحفیظ
کیا قیامت ہے یہ تیغ برتکالی الحفیظ

باغ میں بلبلوں کے دل تڑپے ہیں اور جھڑتے ہیں گل
دیکھ تیرے رنگ و بو کہتا ہے مالی الحفیظ

خون کا پیاسا تھا میرا جن نے کھلائے مجھکو پان
کیا ملا لاوے گی تیرے لب کی لالی الحفیظ

آج تو ناجی سجن سے کر تو اپنا عرض حال
مرنے جینے کا نہ کر وسواس ہونی ہو سو ہو

ہم نہیں کر دلبری سے دل کو لے جاتا ہے وہ
پاس میرے جب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ

دل مرا وابستۂ زنجیر زلف یار ہے
ہے تو دیوانہ پر اپنے نام کو ہشیار ہے

اور کچھ عاجز تمہارا دو نہیں رکھتا مگر
جان بر لب آمدہ حاضر ہے گر درکار ہے

جاں بلب ہوں میں نکل جائے نہ یہ جان کہیں
دل میں حسرت ہی رہی جانی ہے آسان کہیں

بت جانے کی شکست و درستی کہتے ہائے
یہ سب کیا پہ سمجھ نے دل میں نہ گھر کیا

موزون

میر رحم علی موزوں تخلص از سعیدہائے علم عروضیہ معروفست و باقتضائے حسن وارسیہ موصوف را راقم اخلاص خالص دارد و گاہ گاہ بملاقات می پردازد —

اگرچہ خوش کمر موزوں بہت ہوں
فدا ہے جیو میرا اُس موبہاں پر

زرد ہونے میں نہ دیکھا ہم نے کچھ روئے بہی
پھول بھی پایا جہاں میں تجھ زخم کو سہو کر

نثار

عبدالرسول نثار تخلص شہر و سکونت از اکبر آباد است ولد
شیخ محمد تقی میر استاد —

جو ہے یعقوب یوسف دیکھنا منظور آنکھوں سے
تو رہا پھوٹ کر مت رو کہ جاوے نور آنکھوں سے

تنک تو دیکھ تو چمن کا اب کیا ہے ڈھنگ تجھ بن
منہ سے اڑا ہے گل کے گلشن میں رنگ تجھ بن

یہاں گل رکھے پتھرے ہے دستار پر تو اپنی
وہاں عاشقوں کے سر پر پڑتے ہیں سنگ تجھ بن

اکثر ہیں دل فگار و لیکن نہ اس قدر
کتنے ہیں بیقرار و لیکن نہ اس قدر

میں وہ ہوں جس کے رشک سے گل میں کیا سفر
ٹکڑے جگر ہزار و لیکن نہ اس قدر

ہات سے ان جامہ زیبوں کے نکل جاویں گے ہم
یہ گریباں دامن صحرا کو دکھلاویں گے ہم

یہ عزم کس مریض پہ یہ جسم کس پہ سوچ
اک میں ہوں مضطرب جو تو نبض دیدہ ہوں

قاصد تو مقصدا نہیں عاشق کا خط لئے
مشتاق پر فسانہ ہی رنگ پریدہ ہوں

— * —

کہا فردا کا وعدہ سرو قد نے — قیامت کا جو دن سنتے تھے کل ہے

ہوا جب آئنے میں جلوہ گر تب میں لیا بوسہ
جب آیا اپنے قابو میں تو پھر منھ دیکھنا کیا ہے

نہال یدکہ اُس بن کٹی سوے ہیں — عبث کر کے گیا میں گور پر گور

نرگس کے تئیں میں ہر گز لاتا نہیں نظر میں
دیکھی ہیں میں نے آخر پیارے تمھاری آنکھیں

تری نگاہ کی کثرت سے اے کماں ابرو
ہمارے سینے میں تودا ہوا ہے تیروں کا

دیکھ دلبر تری کمر کی طرف — پھر گیا مانی اپنے گھر کی طرف

شمع کو باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کہہ گیا
لے چلا جب دل کے تئیں منھ دیکھتا میں رہ گیا

چاہئے اسراف کو مجلس میں بے دعوت نہ جائے
تو کہ وہ دولہا نہ ہو پر بوجھتے ہیں سب جہیز

صبح دم جب جا چمن میں تم نے زلفیں کھولیاں
لے چلی دیا صبا خوشبو کی بھر بھر جھولیاں

جامہ زیبوں سے ترو صیاد ہیں اس دور کے
لے گئے دل گھیر نیچے دامن اونچی چولیاں

کیوں منڈاتا ہے زلف کو پیارے
دیکھ تجھ کو کہیں گے سب مو رکھ -

— * —

دشمن دین کا دین دشمن ہے
راہزن کا چراغ رہزن ہے

سن ولی رہنے کو دنیا میں مقام عاشق
کوچۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے
اک دل بہوں آرزو سے خالی ارماں ہے محال اگر حلا ہے

گناہوں کے سیہ نامے سے کیا اس پریشاں کو
جسے وہ زلف دستاویز ہو روز قیامت میں
پہنچتا ہے یہ دل کو کو ہر جاگہ
ہم تدرا دوری مقدر ہے

—*—

حرف الہا

ہدایت

ہدایت اللہ ہدایت تخلص ترکمونی خواجہ میر درد بے تناول معنی تردد و راہ دہ شہرستان سخن یافتہ ۔

شہید تیغ ابرو ہے اسیر دام گیسو ہے
ہدایت یوں تو کوئی روز ہے شیدا سکتا ہے

بھلا دیتا تو میری جان کچھ ہدایت لے
تمہارے جور سے شکوہ کبھی کیا ہوگا

مگر یوں سا کہ کہ بے اختیار ہو کے کبھو
کچھ اور بس نہ چلا ہوگا رو دیا ہوگا

—*—

حرف الواو

ولی

مظہر کمالات حقی و جلی محمد ولی در دکن چہرۂ ہستی افروختہ از نور شعور دواتش معنی اندوختہ کماں پر زور سخن را بہ نیروے فکرت کشیدہ و ناوک اندیشہ اش بہدف معنی رسیدہ ہر چند اشعار آبدارش زیب صفحۂ لیل و نہار است و گوشوارۂ سوامع سخن سرایان روزگار لیکن بنا بر التزام بہ تحریر ابیات چند بایجاز و اختصار پرداخت –

نہ پوچھو عشق میں جوش و خروش دل کی ماہیت
برنگ ابر دریا بار ہے رومال عاشق کا

غرور حسن نے تجھ کو کیا ہے اس قدر سرکش
کہ خاطر میں نہ لاوے تو اگر تجھ کو 'ولی' آوے

اے غنچہ نہ کر تو فکر یہ دل
تکمہ ہے سجن کی پگڑی کا

دل چھوڑ کے یار کیوں کہ جاوے
زخمی ہے شکار کیوں کہ جاوے

کیا دم ہے اس کو گرمی خورشید حشر سے
بخت سیاہ جس کے سر اوپر ہے سائبان

رو اگر دیکھئے اُس کو یہی تو کچھ عیب نہیں
آئنے سے ہوگیا کیا دل حیراں میرا

نہ ہوتا میں اگر صدقے ترے دیوانے کے کام آتا
گر سنہ دار کا نہ ہا گالیاں کھانے کے کام آتا

بتاں خون کرکے میرا سب لگے آپس میں یہ کہنے
یہ کافر جیوتا رہتا تو بت خانے کے کام آتا

اُڑا دی ان ہوا نے مشت خاک سے یکساں ناحق
غبار ان کا اگر رہتا دو پیمانے کے کام آتا

یہ کوہ طور سرمہ ہوگیا سارا ہی کیا کہئے
کوئی پتھر اگر بچتا تو دیوانے کے کام آتا

لیا ہے ان بتوں نے عشق کا آتش کدہ سب ہی
کوئی شعلہ جو بچ رہتا تو پروانے کے کام آتا

ہمیشہ کھینچتا ہوں اشک خوں کو دار مژگاں پر
اگر رونے کو میرے دیکھتا منصور رو دیتا

مجھے گر حق تعالیٰ کار فرمائے جہاں کرتا
بتاں کو میں ضرور ان بے کسوں پر مہرباں کرتا

خدا دیتا مجھے گر مہر سامانی خدائی کی
تو میں ان بلبلوں کو گلستاں کا باغباں کرتا

اگر مر کر نہ میں اُس شوخ کی خاطر نشاں کرتا
خدا جانے وفا میری کے حق میں کیا گماں کرتا

نہیں معلوم اب کے سال میخانے پہ کیا گزرا
ہماری توبہ کرنے سے میخانے پہ کیا گزرا

حرف الیا

یقین

صاحب تلاش معنی رنگین انعام‌الله خان یقین تخلص پسر اظهرالدین خان بهادر مبارک خان نبیرهٔ حضرت شیخ محمد الف ثانی است و نبیره نواب حمید الدین خان مرحوم - سهوار خیال اش بصد معنی تلاش پرواز است و همای اندیشه اش در قله قاف سخن به پرفشانی مصدار بی اغراق ریخته گوئی را برطاق رانند گذاشته و تخم معنی در زمین سخن کاشته و انچه از طبعش سر زده از فرط شیوع و حسن قبول در تمام هندوستان در افواه السنه جاری است - استفادهٔ سخن از اوادب گاه میرزا جان جانان مظهر کرده چنانچه گوید -

کیوں نہ ہار اپنے پہ شام و صبح لازم کر یقین
حضرت استاد یعنی شاہ مظہر کی ثنا

با مولف اخلاص خالص دارد و اکثر ها بملاقات می پردازد -

ہے نمو داغ سے ہر سینہ سوزاں میرا
آب رنگ آگ سے رکھتا ہے گلستاں میرا

غم کے ہاتھوں نہ رہا کچھ بھی رفو کے قابل
بسکہ سو بار سیا چاک گریباں میرا

نہ ہو جو سر سے میرے دور ظل عاطفت غم کا
نہ پڑیو داغ پر میرے الٰہی سایہ مرہم کا

شکوہ حسن سے آنسو ہمارے سوکھ جاتے ہیں
نہیں سورج کے آگے کب اثر رہتا ہے شبنم کا

تجھ آنکھوں سے اُتر کر دل نہ کرتا شور کیا کرتا
یہ شیشہ طاق سے گر کر نہ ہوتا چور کیا کرتا

نہیں اُڑ سکتی کسو افسوں سے کالے کی لہر
کیوں کہ نکلے سر سے اُس زلف پریشاں کی ہوا

نہ آب تیشۂ فرہاد خوں میں گر ملا سکتا
اس آب و رنگ سے کب نقش شیریں کو بنا سکتا

اجل نے کوہکن کی جوت رکھ لی شرم خسرو کی
وگر نہ اس کے سنگ زور کو یہ کب اُٹھا سکتا

یہ دل ایسا خراب کوچہ و بازار کیوں ہوتا
اگر ملتا نہ اتنا گلرخاں سے خوار کیوں ہوتا

تری الفت سے مرنا خوش نہیں آتا مجھے ورنہ
یہ ایسا کار آساں اس قدر دشوار کیوں ہوتا

کسو کا تو کبھی رکھا کرو دل تم کو لازم ہے
وگر نہ دلرباؤں کا لقب دلدار کیوں ہوتا

گرا میں آنکھ سے تیری جہاں کے ہات کیا آیا
مجھے پٹکا زمیں پر آسماں کے ہات کیا آیا

مرے ان آنسوؤں نے کھو دیا نور بصر میرا
یہ یوسف بیچ کر اس کارواں کے ہات کیا آیا

دھنوں سر کو اپنے پیٹتا تھا غیر کے آگے
خدا جانے تری صورت سے اسے جانے یہ کیا گزرا

دیا لوگوں سے ہر جا پر عجب ہے اتنی ہشیاری
نہ پوچھا یہ کبھو تیرے کہ دیوانے پہ کیا گزرا

ہیں زخم مرے کاری اس سینے سے کیا ہوگا
اب مرنا ہی بہتر ہے اس جینے سے کیا ہوگا

کہتے ہیں کہ تصویر میں آئینے کو آتی ہیں
دل سے نہ ہوا یہ کام آئینے سے کیا ہوگا

طلا اس حسن کے شعلے کے آگے آب ہو جاتا
تجھے گر دیکھتا روپا پگل سیماب ہو جاتا

کمی کی جلدی قاتل نے اُس کی پیاس کے حق میں
کوئی زخم اور اگر لگتے تو دل سیراب ہو جاتا

اثر خوبان فندق رنگ کے گُلبوں میں نہ دیکھا
کہ جو کرتا تھا اشک خوں سو وہاں عناب ہو جاتا

اگر تجھکو زلیخا دیکھتی سب کچھ بسر جاتی
تماشا ماہ کنعانی کا اُس کو خواب ہو جاتا

یقین سوز و گداز اپنے کو گر اظہار میں کرتا
خدا شاہد کہ آتش کا بھی زہرا آب ہو جاتا

سر پر سلطنت سے آستان یار بہتر تھا
ہمیں ظل ہما سے سایۂ دیوار بہتر تھا

ہموں نے ہجر سے کچھ وصل میں دھڑکے بہت دیکھے
ہمارے حق میں اس راحت سے وہ آزار بہتر تھا

جو کچھ کہیں گے تجھکو یقیں ہے سزا تری
بندہ جو تو بتاں کا ہوا کیا خدا نہ تھا

کہوں میں کیوں کہ نہ صبح بہار تجھکو کہ آج
چمن میں تو جو نہ تھا گل کے منہ پہ نور نہ تھا

حیف مجھ سے الجھ کر عبث ہوا واعظ
کہ میں تو مست تھا اس کو بھی کیا شعور نہ تھا

نوک نخل سرو کی ہوتی جو ہے خم اس سے بوجھ
عالم بالا سے آتا ہے چلا گویا ادب

دشت آتا ہے تواضع کو نہیں یہ گرد باد
دیکھ دیوانے کو کرتا ہے یقیں صحرا ادب

کیا گرانی ایک تیشے سے بنا فرہاد کی
کر دیا کس گھر بسے کے خانۂ شیریں خراب

صبر کیجئے کب تلک ناصح کہ کردیتا ہے عشق
حوصلے کا شہر غارت خانۂ تمکیں خراب

پانو کو اپنے یقیں کی چشم گریاں پر نہ رکھ
مت کر اے گل آب جو میں دامن رنگیں خراب

تری آنکھوں کی کیفیت کو ہے بادہ سے کیا نسبت
نگہ کی گردشوں کو دور پیمانہ سے کیا نسبت

یہ وہ موتی ہیں حسن کی سیپیاں آنکھیں ہیں عاشق کی
مرے آنسو کو مروارید کے دانہ سے کیا نسبت

یہ بت جن نے تراشے ہیں اسے دیکھا بغیر اس کے
کہوں ایسی صورتیں کوئی بنا سکتا ہے کیا قدرت

نہ کہتے راز دل تو اپنی رسوائی نہ سہتی
فصیحت کر کے مجھکو اس زباں کے ہات کیا آیا

دلبروں کے نقش پا میں ہے صدف کا سا اثر
جو مرا آنسو گرا اُس میں سو گوہر ہو گیا

کیا نہیں ہوگا کہ جس کے کھولنے جامے کے بند
برگ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہو گیا

آنکھ سے نکلے پہ آنسو کا خدا حافظ یقین
گھر سے باہر جو گیا لڑکا سو ابتر ہو گیا

لگے گا ہاتھ پتھر اس طرح کی سعی ناحق سے
پڑا ہے دلبروں پر سر نہ پھیرا ہے کوہکن اپنا

یقین اس کے در دنداں کی باتیں جو کیا چاہے
صدف کی طرح دھولے آب گوہر سے دہن اپنا

یہ قمریاں جو سرو کی عاشق ہوئیں مگر
دنیا میں اور کوئی سجیلا جواں نہ تھا

اس قدر غرق لہو میں یہ دل زار نہ تھا
جب حنا کو ترے پاؤں سے سروکار نہ تھا

حسن کا عشق زلیخا ستی کچھ چل نہ سکا
ورنہ وہ پاک گہر قابل بازار نہ تھا

دل میں زاہد کے جو جنت کی ہوا کی ہے ہوس
کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار نہ تھا

اب جیوں سرشک خاک سے سکتا نہیں ہوں اُٹھ
آگے میں دل کی آنکھ سے اتنا گرا نہ تھا

ناصح سے مجھکو غم نے کیا شرمسار حیف
سو بار پھٹ چکا یہ گریباں ہزار حیف

عرق کرتا ہے اپنے حسن کے شعلے کی گرمی سے
اترا ہے گل سے بھی یہ ظاہر خورشید رو نازک

رشک سے لاگی ہے پروانے کے جسمے تن کو آگ
لگیو اے فانوس اوسی نیوے پیراہن کو آگ

فصل گل آتی ہے بلبل آشیاں کا کر علاج
لگ اُٹھے گی اب کوئی دن بیچ اس گلشن کو آگ

چل یہیں بہتر نہیں ہے اس سے دل مرنے کی طرح
کیا یہ پھولے ہیں پلاس اور لگ رہی ہے بن کو آگ

قد ترا از بسکہ رکھتا ہے لٹک جیوں شاخ گل
داؤ کے صدمے سے جاتا ہے لچک * جیوں شاخ گل

ہار مت پہنا کر اے پیارے کہ نازک تن ترا
بوجھ سے پھولوں کے جاتا ہے لچک جیوں شاخ گل

مر چکا ہوں تس پہ جی میں مجھکو دوانے کے یقیں
وے جدائی ہات جانے ہیں کھٹک جیوں شاخ گل

پڑ گئی دل میں تری تشریف فرمانے کی † دھوم
داغ میں مچتی ہے جیسے وصل کے آنے کی‡ دھوم

تیری آنکھوں میں نشے نے اس طرح مارا ہے جوش
ڈالتے ہیں جس طرح بد مست مے خانے میں دھوم

---

* [ن] لچک۔ † میں۔
‡ باغ میں مچتی ہے گل کی فصل آنے میں دھوم

تصور کرکے اپنا ہوں مرا میں اس کی باتوں کا
مرے اس چپکے رہنے کا ہے وہ شیریں سخن باعث

جی کو کچھ پوچھے نہ تھے جب تک نہ ان راہوں سے دل
کیونکہ ہو زنجیر ان ایسے دوانے کا علاج

جی نکل جاتا ہے میرا جب کبھو آتی ہے یاد
وہ قسم کھا کر اسی ساعت مکر جانے کی طرح

جان سے مرگاں کے جی تڑپا ہے میرا بے طرح
رکھ مری آنکھوں پہ چلتے ہو کف پا بے طرح

وصل گل میں آن پہنچیں دیکھئے کیا ہو نصیب
اب کے جلتا ہے جلتوں پر جی ہمارا بے طرح

رنگ سے مہندی کے ہوجاتے ہیں آنسو لعل تر
رکھ کے ان پاؤں پہ سر کوئی اٹھاوے کس طرح

مرے نہ چاک گریباں سے ہے رفو گستاخ
نہ میرے زخم سے مرہم کی آرزو گستاخ

کون رکھے قامت رعنا پہ تیرے جز نگیں
غیر شاعر کون دے اس مصرع موزوں کی داد

پوچھتا ہے خوب کیفیت نظارے کی یقیں
اس نگاہ مست سے لیتا ہے مے خانے کا خط

رشک تیری دلربائی کا ر بس کھاتی ہے شمع
دیکھ تیرے حسن کے شعلے کو جل جاتی ہے شمع

اس ہوا میں رحم کر ساقی کہ بے جام شراب
دیکھ کر چھاتی بھری آتی ہے یاراں کی طرف

گرد باداں پھرتے هیں دیکهه جوانان چمن کهوں کر
دیکهیے چاک ناصح اس هوا میں پیرهن کهوں کر

درد مندوں کے تو لیتا هے عبث جوں کا وبال
مر رهے هیں آپ هی ان ناتوانوں کو نه چهیڑ

جوش نہیں آتا هے ان مجنوں میں صحرا هنوز
ان عزاؤں سے همارا جی نہیں اکتا هنوز

کے لبوں کے هو نه سجا خط یار سبز
ہوتا هے کب سراب کے آگے حمار سبز

بعد مرنے کے بهی هوں گور میں غمناک هنوز
گرد پهرتے هیں مری خاک کے افلاک هنوز

پ سے هم نے مقرر کی هے اپنی خانقس
ده تک پهر کہیں تو هو جائے تہه و بالا قفس

تو نه تها جیف یقیں ور نه دوا نا هوتا
آج اس طرح کا دیکها هے پری زاد که بس

ع هیں بار مجهے دیکهه جهجهک کر بولا
ا دری طرح سے مرتا هے یه بیمار که بس

جس طرح سے ڈهونڈتے هیں لوگ خاطر هائے شاد
اس طرح رهتا هے مجهکو جان مضطروں کا تلاش

ے ستم سے مرا جی یه کچهه ڈهر کتا نہیں
ٹی سے قتل کی کرتا هے جان مضطروں رقص

وصل جانی هے یقیں اور نا مہاں سے ایک بار
کوئی کرتا نہیں همارے باغ جانے کی عرض

[illegible] میں تڑپے دل کے ہاتھ
[illegible] کے کوئی دل کے میں دھوم

[illegible] ہے اپنا تو لے سوداوں یہیں
[illegible] اس طرح کوئی گریباں الفیاد

[illegible] لب پر مقدور کہاں
[illegible] دل و جگر کی قدر

[illegible] سوچ دیوں سوشیر کرتی ہے اظہار
[illegible] دل کے دست تقصیر کرتی ہے بہار

[illegible] ہیں ہے چاک چاک
[illegible] کے دیوانے کا شور

[illegible] کچھ کر چلا تھا اپنے جانے کی خبر
[illegible] ہم کو کسی نے اُس دوانے کی خبر

[illegible] ہیں اوروں کی طرف
[illegible] دل کے آنے کی خبر

[illegible] کچھ نا اُمیدی کے سخن اس کر
[illegible] مت دے مجکو اے شیریں دہن اس کر

[illegible] بلبل کی طرح میرا
[illegible] کچھ اے گلبدن اس کر

[illegible] کے ابر نے نالا ہے شور
[illegible] طرح اُمڈے ہیں یہ برسوں کے ابر

[illegible] دل کو چرا
[illegible] ہاتھ میں چور

قامت رعنا سے تیرے اسکے شرما تا ہے سرو
دیکھکر تجکو زمیں کے اندر گڑ جاتا ہے سرو

کیا سجدہ یقیں نے دیکھہ اُس محراب ابرو کو
در ہوں نو رہا مسجد میں نکالے سے کہہ دیجیو

اسیر ان قفس کی نا اُمیدی پر نظر کیجو
بہار آوے تو اے صیاد مت ہم کو خبر کیجو

گرہ کھولو نہ زلف یار کی سایے کو مت چھیڑو
چھوڑ مت دل کی زنجیر ایسے دیوانے کو مت چھیڑو

کوئی مجھہ سے نہ پوچھو مستعد مرنے کا دیتھا ہوں
حلاوت خود کشی کی دے گیا ہے کوہ کن مجھکو

کھڑا سرو ساقت ان کے قد * رعنا ہو
جو یار پردے سے نکلے تو کیا تماشا ہو

خدا کرے کہ کہوں حق ستاب ثابت ہو
مت امتحاں وفا میں یقیں کے دور کرو

عشق میں داد نہ چاہو کہ سنا ہم نے کہیں
عدل و انصاف کا اس ملک میں دستور کبھو

اُس رخ صاف کے آگے نہ رکھو آئینہ
مدن مکدر ہوں مجھے اور مکدر نہ کرو

لے کے دل کرتے ہو ذلت دکیھہ کے ماروں کا گناہ
جان و دل دینے میں کیا ہے ان بچاروں کا گناہ

ن دن دنا کے

مت خدا کے واسطے دلبراں سے اختلاط
کفر ہے حق میں مسلماں کے بتاں سے اختلاط

کعبے بھی ہم گئے نہ گیا پر بتوں کا عشق
اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں

بلائے عشق سے کچھ چھوٹنے کی راہ نہیں
بغیر مے کدہ دارو کہیں پناہ نہیں

ویسی اس سلسلۂ عشق کے اب کم ہیں یقیں
دل آزادہ بہت جان گرفتار کہاں

وہ کون دل ہے جہاں جلوہ گر وہ نور نہیں
اس آفتاب کا کس ذرے میں ظہور نہیں

کوئی شتاب خبر لو کہ بے دھڑک ہے بہار
چمن کے بیچ دوانوں کا اب کے شور نہیں

مجھکو اب سیر و تماشا سے شناسائی نہیں
تجھ بن اے نور نظر کچھ مجھ میں بینائی نہیں

ان دنوں کے باغ میں جا کر بتاں کہتے ہیں سب
سیر گل میں جی نہیں لگتا وہ سودائی نہیں

گالی بھی دی گئے ہیں ساری بھی کھائیاں ہیں
کیا کیا تری جفائیں ہم نے اٹھائیاں ہیں

شکوہ جفا سے یار کی کرتا وفا نہیں
بندوں کو اعتراض خدا پر روا نہیں

جور و جفا کا اُن سے تعجب نہ کر یقیں
یہ سنگدل بتاں ہیں نہ آخر خدا نہیں

دلا یہ عشق سے کچھ چھوٹنے کی راہ نہیں
بغیر مرے کبھو یارو کہیں پناہ نہیں

...وں پر جبر کرتے ہیں یقیں یہ خوبرو
...چھ نہیں نالہ ان پہ اختیاروں کا گلا

مفت دیتے ہیں لیے وفا کو شہر خوباں میں یقیں
کس قدر بے قدر ہے یہ جنس نایابی کے ساتھ

...ار آئی ہمیں کیا حکم ہے اے باغباں سچ کہہ
...ن سن رہنے پاوے گا ہمارا آشیاں سچ کہہ

کچھ عمر میں نہیں باقی ساقی تو شتاب آجا
...تر نا ہوں چھلک جاوے لبریز ہے پیمانہ

...ق کے دن کار جانے کی عدالت دیکھ لی
...لہوس جیوں مریں ہم اے محبت واہ واہ

جب ہوا معشوق عاشق دلربائی کیا کرے
بندگی جن نے جو کی وہ خدائی کیا کرے

...ق میں ملتی نہیں راحت مگر جیوں کو ہنس
...ن سنورن دیکھے نہ خواب سہریں کیجے

کیا دل ہے اگر جلوہ کچھ یار نہو وے
ہے طور سے کیا کام جو دیدار نہو وے

...پاوے گا ای نیری تو بلبل گلستاں بھولے
...ا نقش قدم دیکھے تو اپنا آشیاں بھولے

چھوٹے ہم زندگی کی قید سے اور داد کو پہنچے
وصیت ہے ، ہمارا خون بہا جلاد کو پہنچے

رون میں کیوں کہ قید زلف سے چھوٹنے کی تدبیریں
ڑی ہیں میری ہر انگشت میں جیوں شانہ زنجیریں

جب دیکھتا ہوں تجھکو سجن چمن میں
کس کس طرح کی داغیں آتی ہیں میرے من میں

تھہ کیا کہے ہیں دیوانہ بنوں عالم سے ہائے
ن نے کیا آباد کر رکھا تھا ویرانے کے تئیں

ہائے میرا ہاتھ مت پکڑو کہ جیب گل کی طرح
چاک ہی کرتا ہے اس میرے گریباں کے تئیں

رتا ہے کوئی یارو اس وقت میں تدبیریں
رتا ہے یہ دیوانہ اب کھول دو زنجیریں

عمر آخر ہے جنوں کی دو بہاراں پھر کہاں
ہاتھ مت پکڑو میرا یارو گریباں پھر کہاں

ار کے قد کو جو دے سرو سے تشبیہ نہیں
سر کشی میں تو مسلم ہے پہ طرار نہیں

اقین مارا گیا جرم محبت پر رہے طالع
شہادت اس کو کہتے ہیں سعادت اس کو کہتے ہیں

یا فرہاد نے جو کچھ محنت اس کو کہتے ہیں
شادی داب کے کھلنے میں ہمت اس کو کہتے ہیں

یقین ہے جانے ملنے کی خبر کیا پوچھکر لوگے
پڑا ہوگا دوانا سوجھنہ سا کہیں گلشن میں

ہ سینہ عشق سے محروم درد و داغ نہیں
رار سکر کہ یہ ملک بے چراغ نہیں

دعا مستوں کی' کہتے ہیں 'یقیں' تاثیر رکھتی ہے
الٰہی سبزہ جتنا ہے جہاں میں تاک ہو جاوے

اس طرح رونے میں آنکھوں کا جدا جانا یقیں
دیکھیے یہ داماں اس رونے تلے یا نیرے

یہ کون ڈھب ہے سجن خاک میں ملانے کی
کسو کا دل کبھی پاؤں تلے ملا بھی ہے

اگر برباد جاوے خاک میری کیا تعجب ہے
فلک جب چرخ میں آتا ہے تیرے دور داماں سے

نہیں ہے جام مے بن کچھ ہمارا خوں بہا ساقی
اس آب زندگی سے اپنے یاروں کو جلا ساقی

جو سر پاؤں پہ رکھ دیجے تو خوش ہوویں بتاں ہم سے
و لیکن ہائے ہو سکتی ہے یہ جرأت کہاں ہم سے

'یقیں' زنجیر میں ہے تب تو عالم میں نہیں چھٹیں
تک اک چھوٹے یہ دیوانہ ابھی دھومیں مچا دیوے

نہ دے برباد خار آشیاں کو عندلیباں کے
صبا یہ بھی ہوا خواہوں میں ہے آخر گلستاں کے

مرے آنسو نہیں مارے ضعف کے اب چل نہیں سکتے
کیا ہے عشق مجھکو ہائے ایسا ناتواں رونے

نظر آتا نہیں ثابت گریباں ایک غنچہ کا
چمن پر یہ ستم کرتا ہے اے باد صبا کوئی

سبب ہجراں کی وحشت کو دوا بے درد کیا جانے
جو دن پڑتے ہیں راتوں کو مجھے تیری بلا جانے

بہار آئی نکالو عندلیبو ساز عشرت کے
گئیں حسرت کی وے راتیں گئے وے دن مصیبت کے

پریشاں خاک سے اگتا ہے سنبل اس سے ظاہر ہے
کھلے ہیں موے لیلی اب تلک ماتم میں مجنوں کے

بتاں کی پادشاہی کے سبب سالار عاشق ہیں
اٹھائے کوہکن نے بے ستوں میں نقش شیریں کے

نہ ٹھنڈے ہیجو اُس کو گرم رکھیو آہ و نالے سے
یہ دل ہے مشت خاکستر کا تیری اخگر اے قمری

یقیں کے واسطے کی سن خبر وہ بد گماں بولا
یہ دیوانہ کچھہ ایسا تو نہ تھا بیمار کیا کہئے

عبث پالی تھی سبزے بیچ آہ بے اثر ہم نے
یہ کیوں اس خاک میں بویا تھا نخل بے ثمر ہم نے

نہ پوچھو تو کہ کیا یہ سر زمیں مجنوں کا مدفن ہے
چلی آتی ہیں سو ہرنیاں اس بیاباں سے

یار کب دل کی جراحت پہ نظر کرتا ہے
کون اس کوچے میں جز تیر گزر کرتا ہے

درختوں سے نہ ہوئے تشبیہ اس قد کو یہیں ہر گز
وہ اٹھکھیلی سے چلنے کی طرح شمشاد کیا جانے

اگر زنجیر میرے پاؤں میں ڈالی تو کیا ہو گا
بہار آنے دو میرا ہاتھہ ہے اور یہ گریباں ہے

گئی یہ کہکر آنے سے خزاں کے پیشتر بلبل
پھر ان آنکھوں سے کھولکر دیکھہ سکے گا چمن خالی

دل روشن کے نقطوں لگتی ہے کب ظلمت نظارے کی
صفا میں آئینے کی کب خلل آتا ہے صورت سے

ملت کب آزاد کرتی ہے گرفتاری مجھے
دی ہی آخر لے کے چھوڑے گی یہ بیماری مجھے

اس پری زاد جوانوں نے کیا پھر مجھے
کر دیا ضعف سے جیوں سایہ زمیں گیر مجھے

ناصح اس کی سوزن مژگاں سے کھینچوں کیوں کھات
زخم کو ٹانکے نہ دے اپنے تو گھائل کیا کرے

محبت کے مردوں کو کب ہر اک پیر و جواں سمجھے
جو ابراہیم ہو آتش کدے کو گلستاں سمجھے

کرتے ہیں ایسے نال دکھا مبتلا مجھے
اس پیچ سے بتاں کے نجا لے خدا مجھے

اجل نہ چھوڑے گی آخر یقیں کو لازم ہے
کہ اپنے سر کو ترے پاؤں پر نثار کرے

یقیں جاتا رہا گر بلبلوں کے ساتھ جانے دے
کوئی اس بے مروت دل کو اپنے پاس کیا رکھے

حیا و شرم سے کیونکر کوئی حذر نہ کرے
ادب سے تجھ پہ کوئی کب تلک نظر نہ کرے

حق مجھے باطل آشنا نہ کرے   میں بتوں سے پھروں خدا نہ کرے

ترا جو شیشہ سا منہ دیکھ کر پھولوں کی جاں لرزے
ترا قد چھو کے باؤ آوے تو سرو گلستاں لرزے

گریباں چاک کرنے سے کسو کے تجھکو کیا ناصح
ہمارا ہاتھ جاوے اور ہمارا پیرہن جاوے

اگر دیتے ہو دل کی داد جتنا اس کا جی چاہے
تو کرنے دو اسے فریاد جتنا اس کا جی چاہے

نہیں کوئی کہ احوال اس کے ہم تک نا دعا لاوے
کیا ہے دل اب اس کو دیکھئے کب تک جدا لاوے

'یقیں' بےجا نہیں میں کرتا ہوں پہ صبر کہ ڈرتا ہوں
محبت بیچ اگ جاوے کہیں رنگ شکیبائی

بہار آئی ہے کیسا چاک جیب پیرہن کرتے
جو اب ہم جیتے ہوتے تو کیا دیوانہ پن کرتے

مقابلے میں وفا کے جو یہ جفا ہووے
کبھو کسو سے کوئی کیوں کر آشنا ہووے

موا جاتا ہوں مت اتنا بھی کس کر گوندھ بالوں کو
تنک اک ڈھیلی تو کردے جان زنجیر اس دوانے کی

زنجیر میں بالوں کے پھنس جانے کو کیا کہیے
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

دیکھ تو دیتا ہے کروں تجھکو بھی حیراں تو سہی
باغباں اب کے اجازے لوں گلستاں تو سہی

اپنے بندوں کو جلا کر داغ کرتے ہیں یقیں
ان بتاں کی ضد سے ہو جاؤں مسلماں تو سہی

موئے ہم فصل گل آنے سے پہلے ہی جدا جانے
کہ کیا کیا شوخیاں ہم ساتھ یہ ظالم ہوا کرتی

اتنا ہے مست اپنے حسن کی مے سے سجن میرا
کہ کھاتا ہے پیاں کرنے سیتی لغزش سجن میرا

نہ کر گوہر سیتی ہر گز برابر اگر معلوم ہے رتبہ سخن کا

مجھے مت تو جھے پیارے اپنا دشمن
کوئی دشمن ہوئی ہو ہے اپنی جان کا

مرا دشمن ہوا 'یک رنگ' وہ سوچ
کیا کیوں عشق میں نے آشکارا

کم نہیں کچھ بوے گل سیتی فغان عندلیب
برگ گل سے ہیگی نازک تر زبان عندلیب

زبان شکوہ ہے سہلدی کا ہر بات   کہ خوبوں نے اٹھائے ہیں مجھے ہات
مسند حسن کے شاہ و گدا ہیں   رکھے ہیں خوبرو ظاہر کرامات
جہاں چشم و ابرو کر کے تیرا   کوئی مسجد پڑا کوئی خرابات
سچ کہے جو کوئی سو مارا جائے   راستی ہیگی دار کی صورت
بدا برمصلحت ہے نہ جو تم سے   رہا ہے روٹھ دن دو چار 'یکرنگ'
تا گلے تیرے لگوں اے یار میں   روٹھتا ہوں اس سبب ہر بار میں

کیوں کھیلتے ہو تیغ صنم ہم میں دم نہیں
پڑھیاں نگہہ تمہاری یہ گدکی سے کم نہیں

کہتے ہیں ہم پکار سنو کان دھر سجن
گر غیر سے ملوگے تو دیکھو گے ہم نہیں

تجھ زلف کا یہ دل ہے گرفتار بال بال
'یکرنگ' کے سخن میں خلاف ایک مو نہیں

وہ بلبل کیوں کہ ہووے خار و خس سے مختلط جس کا
نسیم و گل سے سارے نازکی کے آشیاں اجڑے

— * —

یک رنگ

معنی یاب بے نیرنگ مصطفیٰ خان 'یک رنگ' با آبرو یک طرح بودہ و تلاش معنیٔ تازہ نمودہ رتبهٔ سخنش بلند است و پایهٔ شعرش ارجمند —

یک رنگ پاس اور سخن کچھ نہیں بساط
رکھتا ہے تو بس جو کہو سو نظر کرے

لب شیریں سے بے زبانوں کو بولنا تلخ کام ہے تیرا
ہاتھ اٹھا جور اور جفا سے تو یہی گویا سلام ہے تیرا

زخمی برنگ گل ہیں شہیدان کربلا
گلزار کے نمط ہے بیابان کربلا

کہاں لے چلا ہے زخم ستم ظالموں کے ہاتھ
نہ ہو ہات زندگی سے مہمان کربلا

سنتا نہیں ہے بات کسی کی تو اے سجن
تجھکو ترا غرور نہ جانوں کرے گا کیا

خون دل کا مجھے شراب ہوا جگر سوختہ کباب ہوا

دل پر مرے ہیں داغ برے ہجر کے کئی
گنتے میں جن کے عمر مری سب گزر گئی

——) * (——

الحمد للہ المؤخر المقدم الامور که این تالیف روح افزا زینت اتمام گرفت و زینت اختتام پذیرفت و حالات شریف و مقالات لطیف ریختہ گویان حسن اختتام و حلیۂ انصرام یافت لیکن بر خاص و عام از ذرہ تا خورشید روشن است که احصائے افراد این نوع و احاطہ اشخاص این (؟) دون طاقت بشری است و اسامی شعراء نامی که بحیطہ تحریر و حوزۂ تسطیر آمدہ بحسب استقراء علم خود بود و الا حصر آن را تتبع و تفحص چون منے متکفل نمی تواند شد ـ

ختم اللہ بالحسنی فی خامس محرم الحرام المنتظم فی عام ستة و ستین و مائة بعد الالف من الہجرة المبارکة النبویة حامداً للہ وحدہ حق حمدہ و مصلیاً علی رسولہ و آلہ و اصحابہ من بعدہ حررہ عبد المشتاق الی رحمة ربہ الغنی فتح اللہ ہو بعلی الحسینی الگردیزی عفی عنہ ـ

دل مرا لے کے جو جاتا ہیں پڑے ہو اس بہانت
کیا سجن اس کا کوئی جگ میں خریدار نہیں

پارسائی اور خواری کیوں کہ ہو   اک جاگہ آگ و پانی کیوں کہ ہو

اس پری پیکر کو سب انسان بوجھ
شک میں کیوں پڑتا ہے اے دل جان بوجھ

ترک جاتا اُپر لکھو احوال دل مرا
شاید کبھو تو جا لگے اس دل ربا کے ہات

گو خبر لیتی ہے تو لے صیاد   ہات سے یہ شکار جاتا ہے

لگے ہے جا کے کانوں میں بتاں کے
سخن 'یکرنگ' کا گویا گہر ہے

کہاں جاتی ہے وصال ترا ہو کسے نصیب
ہم تو ترے فراق میں اے یار مر گئے

نہ تو ملنے کے اب قابل رہا ہے   نہ مجھکو وہ دماغ و دل رہا ہے

اب تو تمہیں بنا ہے ہی ہم سے سخن بنے
ہم سب طرف سے ہار تمہارے گلے پڑے

— —

یکرو

عبدالوہاب یکرو شاگرد آبرو است و فکرش برجستہ
است و شعرش سستہ ۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

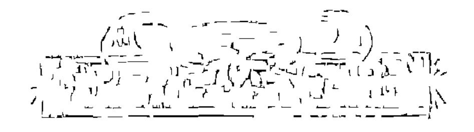
ادارہ ترقی اردو [illegible]

[illegible] اور حیات کو اردو [illegible] کی معلوماتی [illegible] ہو رہی [illegible] ان کو [illegible] الاسلام [illegible] اور [illegible] کی کوششوں [illegible] ہے۔ اس سے اردو زبان [illegible] اور اہل وطن کے خیالات میں [illegible] مقصد ہے —

[illegible] (انجمن ترقی اردو) [illegible] امید ہے کہ اردو زبان کے [illegible] اور علم کے [illegible] فرمائیں گے —

المشتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)



Anjuman -i- Tarraqqi -E- Urdu Series No 76

Tadzkirah-i-Rekhta Guyan

A Biographical Anthology of Rekhta Poets

by

Syed Fath Ali Husaini Gurdezi

Edited by

MOULVI ABDUL HAQ, B A, (ALIG)

——)※(——

PRINTED AT THE "ANJUMAN URDU PRESS"
AURANGABAD, (DECCAN)
1933